جناب پنڈت بنسی دھر مصر صاحب ایم۔ ایل۔ اے

صدر آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی لکھیم پور کھیری

جنابِ صدر صاحبہ و حاضرین !

صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ مشاعرہ کے آخر میں کہتا لیکن یہ مشاعرہ صبح تک چلے گا اور آپ لوگ رات بھر بیٹھنے کے بعد شائد اس موڈ میں نہ ہوں کہ شاعروں کے علاوہ کسی اور کی بات سن سکیں اس لیے مجھے اپنے فرض کو پورا کرنے کی شروع میں ہی اجازت دیجئے۔

یوں تو اس شہر میں مشاعرے ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن یہ اپنے رنگ کا پہلا مشاعرہ ہے جس میں تمام ہندوستان کے نامی گرامی شاعر حصّہ لے رہے ہیں بہت سے اس میں ایسے فن کار بھی ہیں جو ملک کی آزادی کی لڑائی میں آگے آگے رہے ہیں۔

”شکریہ“

جناب صدر صاحبہ و حاضرین!

صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ مشاعرہ کے آخر میں کہتا لیکن یہ مشاعرہ صبح تک چلے گا اور آپ لوگ رات بھر بیٹھنے کے بعد شائد اس موڈ میں نہ ہوں کہ شاعروں کے علاوہ کسی اور کی بات سن سکیں اس لیے مجھے اپنے فرض کو پورا کرنے کی شروع میں ہی اجازت دیجئے۔

یوں تو اس شہر میں مشاعرے ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن یہ اپنے رنگ کا پہلا مشاعرہ ہے جس میں تمام ہندوستان کے نامی گرامی شاعر حصّہ لے رہے ہیں بہت سے اس میں ایسے فن کار بھی ہیں جو ملک کی آزادی کی لڑائی میں آگے آگے رہے ہیں۔

میں خاص طور پر صدر مشاعرہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی اور سرکاری مصروفیت کے باوجود یہاں آنے کی تکلیف کی۔ شریمتی سنہا، بہار کے اُس گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں جو ہندو مسلمانوں کے ملے جُلے کلچر کا نمونہ ہے۔ آپ اپنے محکمہ کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے بھی کلچرل کاموں کے لیے وقت نکال لیتی ہیں، ہم اپنی طرف سے ضلع کی طرف سے اور کمیٹی کے ممبروں کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے شاعروں کے بھی احسان مند ہیں کہ جنھوں نے ہمارے مشاعرے کو کامیاب بنانے کے لیے یہاں آنے کی تکلیف کی۔

ایک غلط فہمی جو ہمیشہ اُردو ہندی کے سلسلہ میں رہتی ہے اس کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک دھوکا ہے کہ ہندی اُردو کا کوئی بیر ہے ہندی کا مقام سب سے اونچا ہے کیونکہ وہ ہماری قومی زبان ہے جب ہم نے ہندی کو راشٹر بھاشا مان لیا تو اس کا ملک کی کسی بھی زبان سے مقابلہ نہیں رہ گیا۔ ملک کے ہر شہری کے دل میں اس کی عزّت اور آدر ہے۔ اُردو ملک کی اور زبانوں کی طرح ایک بہت پُرانی زبان ہے اس کو بھی ترقی کرنا چاہیئے ہمارے سمودھان اور

آئین میں اس کی اپنی جگہ ہے ہم اُردو کی سیوا کرتے ہیں تو اس سے ہمارے سمودھان کا بھی سمّان اور عزّت ہوتی ہے۔
ہمارے شاعروں اور کلا کاروں نے ملک کے ہر موڑ پر ہم کو نیا راستہ دکھایا ہے اور ہماری ہمّت بندھائی ہے۔
نفرت کے اس ریگستان میں جہاں جہاں ہم کو پریم اور محبّت کے پھول کھلے دکھائی دیتے ہیں وہ انھی فن کاروں کی دین
ہے۔ ہم ان کو سلام کرتے ہیں اور اُن کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ میں اپنے ان تمام دوستوں بالخصوص شری
ایچ۔ بی۔ شاہ، سردار کیول سنگھ، شری رام نواس، شری مصرا، سردار سادھو سنگھ وغیرہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں
جنھوں نے ہمیں وقت وقت پر مالی مدد دی اور مشاعرے کو کامیاب بنانے میں اپنا وقت اور مشورہ بھی دیا ہے۔ اپنے
شہر کے شاعر حضرات اور دوسرے ساتھی بھی ہمارے بہت مددگار رہے ہیں۔ ہماری طرف سے اگر کوئی
بدانتظامی رہی ہے اور اس کی وجہ سے ہمارے مہمانوں کو یا اس محفل میں شریک ہونے والوں کو کوئی تکلیف ہوئی
ہے تو اس کے لیے میں معافی مانگتا ہوں۔

میری کوتاہی رہے گی اگر میں ابو سعید صاحب رضوی جوائنٹ سکریٹری کو خاص طور پر شکریہ اور مبارکباد نہ پیش کروں جن کی بے لوث دلچسپی اور انتھک محنت کے نتیجہ میں لکھیم پور کا یہ تاریخی مشاعرہ کامیابی کی اس منزل پر پہنچ سکا ہے جو کہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ قابل صد ستائش ہیں۔ "شام غزل" کی تالیف و ترتیب بھی آپ ہی کی مرہون کرم ہے۔

'جے ہند'

پنڈت بنسی دھر مصرا

ایم۔ ایل۔ اے

صدر آل انڈیا مشاعرہ کمیٹی

لکھیم پور کھیری

۷ مارچ ۱۹۶۴ء

دَورِ غزلیات

الحاج مولانا سیّد آفقر موہانی

خرد ہے مجبور، عقل حیراں، پتہ کہیں ہوش کا نہیں ہے
ابھی سے عالم ہے بیخودی کا، ابھی تو پردہ اُٹھا نہیں ہے

نفس نفس اک نئی ہے دنیا، نظر نظر اک نیا ہے جلوہ
نگاہ کی پھر بھی انتہا ہے، جمال کی انتہا نہیں ہے

ہے وہ بھی کوئی جبینِ سجدہ، اُٹھے تمہارے جو نقشِ پا سے
نہ جذب کر لے اگر جبیں کو، تمہارا وہ نقش پا نہیں ہے

ہوا یہ معلوم بعدِ مدّت کسی کی نیرنگیٔ ستم سے
ستم بہ اندازۂ ادا ہے، ادا بقدرِ جفا نہیں ہے

مرے نظامِ حیات میں کچھ کمی سی محسوس ہو رہی ہے
مگر ہو تم کس لیے پریشاں، سوال دل کا اُٹھا نہیں ہے

ازل سے ہے آسماں خمیدہ، نہ کر سکا پھر بھی ایک سجدہ
وہ ڈھونڈھتا ہے جس آستاں کو، وہ آستانہ ملا نہیں ہے

ہزار رنگِ زمانہ بدلے، ہزار دورِ نشاط آئے
جو بجھ چکا ہے ہوائے غم سے، چراغ وہ پھر جلا نہیں ہے

بہار آنے کی آرزو کیا، بہار خود ہے نظر کا دھوکا
ابھی چمن جنّتِ نظر ہے، ابھی چمن کا پتا نہیں ہے

خوشی ہی زاہد کی ورنہ ساقی، خیال تو یہ رہیگا کب تک
کہ تیرا رندِ خراب افقر، ولی نہیں پارسا نہیں ہے

کچھ اُدھر کی خبر نہیں آتی ۔ خیر اپنی نظر نہیں آتی

کہوں کس منہ سے تیرا بندہ ہوں ۔ بندگی بھی تو کر نہیں آتی

جس نے برباد زندگی کر دی ۔ وہ نظر اب نظر نہیں آتی

اس قدر گم ہوں تیرے جلوؤں میں ۔ اپنی ہستی نظر نہیں آتی

منزلِ عشق ختم ہے شاید ۔ بوئے زخمِ جگر نہیں آتی

دیکھتا ہوں تجلّیاں تو ضرور ۔ شکل کوئی نظر نہیں آتی

یا تمھیں پوچھنا نہیں آتا
یا مجھے بات کر نہیں آتی

کل کتنے شاعر بزعمِ خود جو داعیِٔ دوام ہوئے

میری ہستی انتظار میں، سراپا سر چشمِ بے خواب

کتنی بولتی گمنامی تھی، سب کچھ تجنے والوں کی

لاکھ تمناؤں، ارمانوں، آرزؤں کا ماتم ہے

میرے خیالوں کی یہ روانی رشکِ نسیمِ جنّت ہے

خاموشی چھائی عالم پر، دن ڈوبا، تارے چھٹکے

ہم کو فنِ رسوائی بھولا، عشق کے خطرے کیا ہوں بیاں

ہم نے کئے ہیں گناہ کو سجدے، صدق و حضوریِٔ قلب کے ساتھ

تارے آنکھیں جھپکاتے ہیں، خواب آلود نوائے فراق

ہمہمۂ دوروزہ کے صدقے آج یادِ ایام ہوئے

شاید کوئی آہ ہی نکلے صبح ہوئے یا شام ہوئے

گوشہ نشینوں کے بھی کیا کیا ملکوں ملکوں نام ہوئے

سینۂ خوں گشتہ میں نہ پوچھو کتنے قتلِ عام ہوئے

یوں یہ ڈھلے اشعار میں گویا تیرا طرزِ خرام ہوئے

تیری یاد کے دیپ جلالیں، دیر ہوئی اب شام ہوئے

اب تو زمانے بیت چکے یارو ہمیں بدنام ہوئے

بڑی ریاضت کی تب جا کے نمازِ گنہہ کے امام ہوئے

ان آنکھوں کو بھی نیند آتی ہے اب یہ ترانے تمام ہوئے

شامِ غم کچھ اس نگاہِ ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو

یہ سکوتِ ناز یہ دل کی رگوں کا ٹوٹنا
خامشی میں کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو

نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

ہر رگِ دل وجد میں آتی رہے دکھتی رہے
یوں ہی اس کے جا و بے جا ناز کی باتیں کرو

نام بھی لینا ہے جس کا اک جہانِ رنگ و بو
دوستو اس نو بہارِ ناز کی باتیں کرو

کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے نور سا
کچھ فضا، کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراق
آج اس عیسیٰ نفس دمساز کی باتیں کرو

حضرت قمرمرادآبادی

قطعہ

آنکھ صبحِ وطن کو روتی ہے
نکہتِ گُل چمن کو روتی ہے

آدمی کا بھرم نہ کھُل جائے
آدمیّت کفن کو روتی ہے

زندگی گھِر بھی گئی وقت کے طوفانوں میں
اور ہم رنگ ہی بھرتے رہے افسانوں میں

دورِ مے دیکھئے کب آیا ہماری جانب
ہم نے جب دل کا لہو بھر لیا پیمانوں میں

رفتہ رفتہ انھیں وحشت کا شعور آئے گا
آتے آتے ہی سمجھ آئے گی دیوانوں میں

دل دھڑکتا ہے تو جاگ اُٹھتا ہے احساسِ وفا
درد اُٹھتا ہے تو جان آتی ہے ارمانوں میں

تذکرہ ان کا بھی آیا مرے حالات کے ساتھ
اک حقیقت بھی بیاں ہو گئی افسانوں میں

اے قمر ساحلِ امید ملا یا نہ ملا
زندگی رقص تو کرتی رہی طوفانوں میں

ہم سکھادیں گے ہر اک قطرے کو طوفاں ہونا
بے ادب ہم سے نہ اے گردشِ دوراں ہونا

آئینہ دیکھ کے بیکار ہے حیراں ہونا
میں تصوّر میں جب آؤں تو پریشاں ہونا

مستقل طنز ہے آئینِ چمن بندی پر
اپنے ماحول سے خوشبو کا پریشاں ہونا

عقل و ادراک سے گذرے تو جنوں تک پہنچے
کوئی آساں تو نہ تھا چاک گریباں ہونا

کچھ تو ہر موج میں ہوتا ہے تلاطم خود بھی
اور کچھ وقت سکھا دیتا ہے طوفاں ہونا

زندگی میں مجھے محرومِ کرم رہنے دو
تم مرے بعد مرے غم کے نگہباں ہونا

میرے افکار سے جب گردشِ دوراں اُلجھی
یاد آیا تری زلفوں کا پریشاں ہونا

میں بہارِ گل و لالہ میں سما جاؤں گا
تم جمالِ مہ و انجم سے نمایاں ہونا

وہی موجیں لیئے جاتی ہیں بہا کر ہم کو
اے قمر ہم نے سکھایا جنھیں طوفاں ہونا

کس رات مرے آپ کے پیماں نہیں ہوتے
کب آنکھوں ہی آنکھوں میں چراغاں نہیں ہوتے

اماں نہیں جو نذرِ بہاراں نہیں ہوتے
جو چاک نہ ہو جائیں گریباں نہیں ہوتے

ہم وہ ہیں ترے آئینہ خانے میں بھی اے دوست
جلوؤں کو ترے دیکھ کے حیراں نہیں ہوتے

میرے نفسِ شوق سے آتا ہے تموّج
گیسو یہ ہواؤں سے پریشاں نہیں ہوتے

ہے شرطِ اسیری کے لیے رندی و مستی
ہشیار کبھی داخلِ رنداں نہیں ہوتے

ساقی یہ تری بزم کا اعجاز ہے ورنہ
ہر بزم میں ہم مست و غزل خواں نہیں ہوتے

تھم جائیں جو آنسو انھیں آنسو نہیں کہتے
جو آکے اتر جائیں وہ طوفاں نہیں ہوتے

عشّاق پہ کرتے ہو قیاس اہلِ ہوس کا
عشّاق کبھی بندۂ ارماں نہیں ہوتے

ہوتے ہیں جو مایوس تو ہوتے ہیں خدا سے
ہم شاکیِ بے مہریِ انساں نہیں ہوتے

وابستہ ہیں جو لوگ تری زلفِ رسا سے
وہ بندِ سلاسل سے پریشاں نہیں ہوتے

کھلتا ہے یہ شیرازۂ شب گوں مرے دل پر
گیسو ترے شانوں پہ پریشاں نہیں ہوتے

وہ عشق ہی کیا جس کی مہک عام نہیں ہے
وہ راز ہی کیا جو کبھی عریاں نہیں ہوتے

یہ فیض ہے دیوانگیٔ عشق کا ساغر
ذی ہوش کبھی صاحبِ دیواں نہیں ہوتے

لعہ

لالۂ و گل میں کب کسی کو ملا — رنگ جو تیری سادگی کو ملا
رہ گئی دل پکڑ کے ارض و سما — ہائے کیا درد آدمی کو ملا

ہم رنگ بوئے گل مری دنیا چمن میں ہے — آوارۂ سفر ہوں مگر دل وطن میں ہے
اے خلوتیٔ گوشۂ دل تجھ کو کیا خبر — خلوت میں تو ہے حسن ازل انجمن میں ہے
اک جوئے خوں رواں ہے دلِ کوہسار سے — اک جوئے شیر دفن دلِ کوہ کن میں ہے
اے دوست شرحِ حرفِ تمنا کہاں نصیب — صدیوں کی خامشی ہے جو تابِ سخن میں ہے
اے انقلابِ رنگِ چمن یہ نہ بھولنا — کچھ میرے خونِ دل کی امانت چمن میں ہے
واعظ ہم اہل درد کی دنیا میں آ کے دیکھ — اک گوشۂ سکوں اسی دار المحن میں ہے
میں کیا کہوں حقیقتِ ذوقِ غزل روش — اک روحِ درد ہے کہ لباسِ سخن میں ہے

کبھی جھوٹے سہارے غم میں راس آیا نہیں کرتے
یہ بادل اڑ کے آتے ہیں مگر سایا نہیں کرتے

یہی کانٹے تو کچھ خوددار ہیں صحنِ گلستاں میں
کہ شبنم کے لیے دامن تو پھیلا یا نہیں کرتے

سلیقہ جن کو ہوتا ہے غمِ دوراں میں جینے کا
وہ یوں شیشے کو ہر پتھر سے ٹکرایا نہیں کرتے

قدم مے خانے میں رکھنا بھی کارِ پختہ کاراں ہے
جو پیمانہ اُٹھاتے ہیں وہ تھرّایا نہیں کرتے

وہ لے لیں گوشۂ دامن میں اپنے یا فلک چُن لے
مری آنکھوں میں آنسو بار بار آیا نہیں کرتے

حضرت نشورؔ واحدی
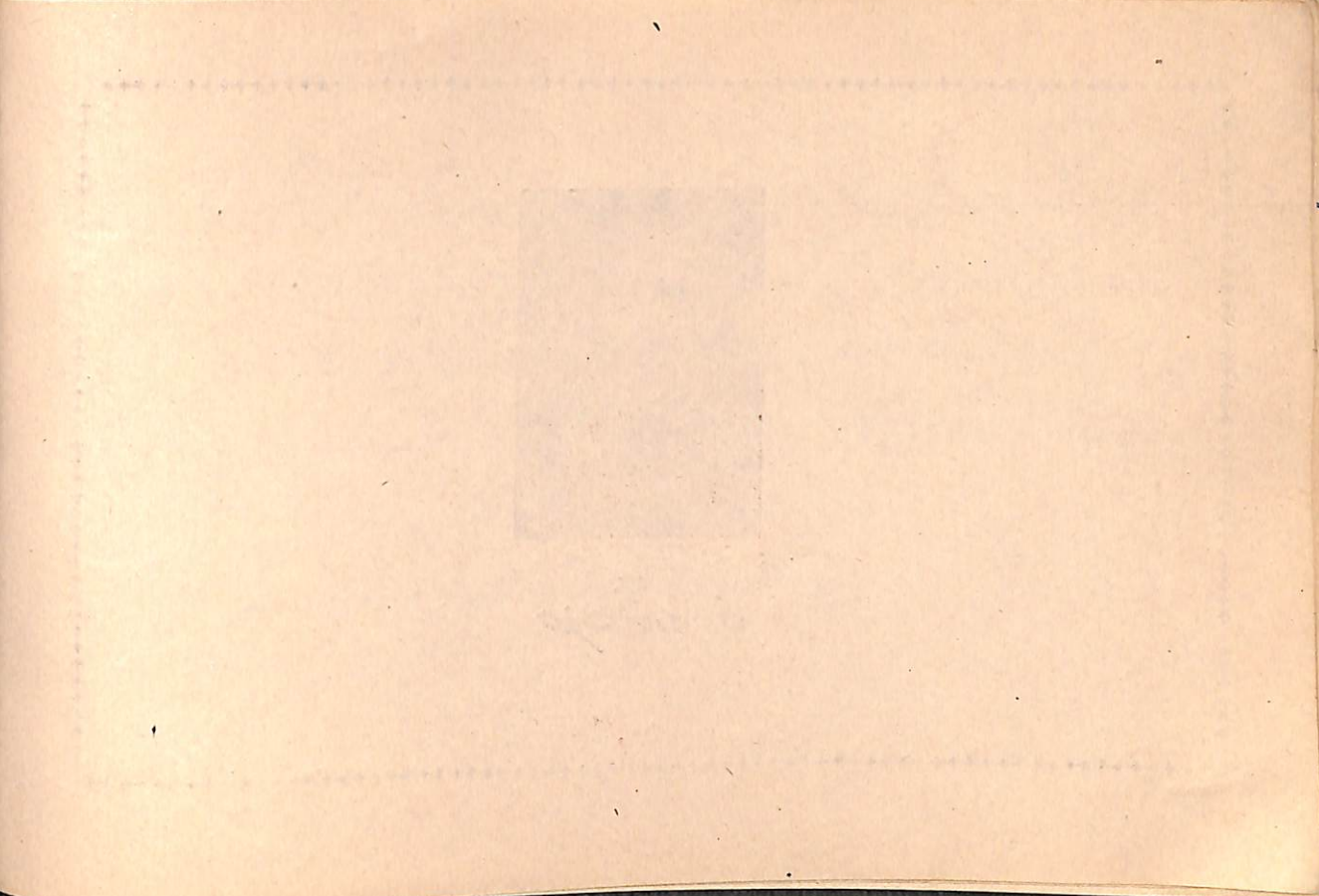
میں ابھی سے کس طرح ان کو بے وفا کہوں
منزلوں کی بات ہے راستے میں کیا کہوں

اے حریصِ میکدہ خونِ زندگی نہ پی
تو شراب اگر پیے تجھ کو پارسا کہوں

حسنِ بے حجاب پر کوئی پردہ ڈال لو
تم اسے صنم کہو میں اسے خدا کہوں

گیسوئے سیاہ کی وہ حسیں درازیاں
رات کیوں کہوں انھیں رات کی دعا کہوں

غیر میرا حالِ غم پوچھتے رہے مگر
دوستوں کی بات ہی دشمنوں سے کیا کہوں

صرف یادوں کو تمنّا کا جو حاصل کہئے
جان کیوں دیجئے پھر نجد کو محمل کہیے

عشق کی راہ میں کچھ نام بدل جاتے ہیں
جو بیاباں نظر آجائے اُسے دل کہیے

پہلے آدابِ جنوں سیکھیے پھر وحشت میں
اس کی زلفوں کو بصد شوق سلاسل کہیے

کوئی تسکین کی صورت کوئی جینے کی سبیل
پیاس سے قصّۂ مجبوری ساحل کہیے

راستے میں کہیں لُٹتے تو نہ یوں غم کرتے
ہم وہاں جا کے لُٹے ہیں جسے منزل کہیے

اسی اندازِ تکلّم کو غزل کہتے ہیں
زندگی جس کو سمجھئے اُسے قاتل کہیے

حضرت شمیم کرہانی
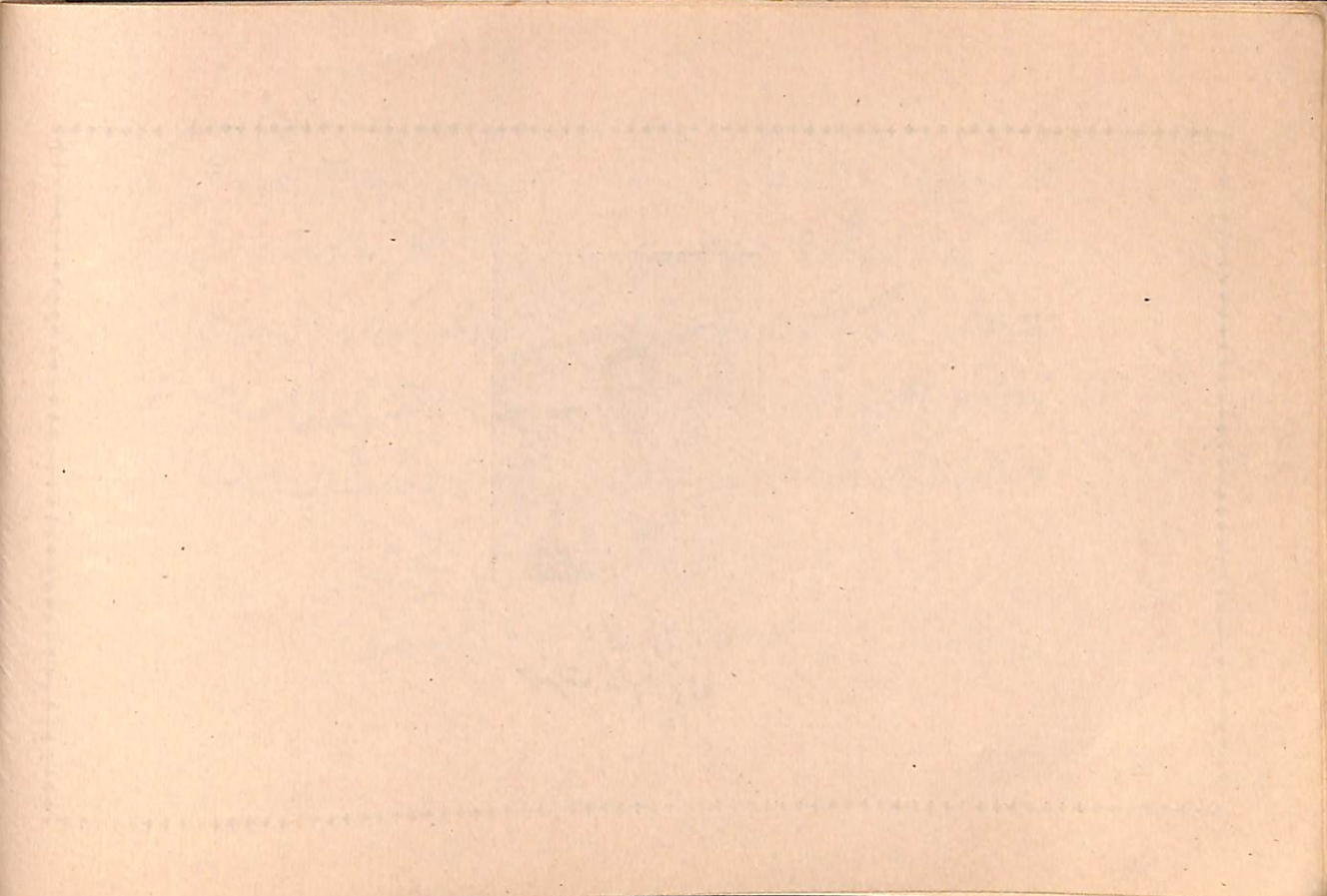
زباں کو حکم ہی کہاں کہ داستانِ غم کہیں
ادا ادا سے تم کہو نظر نظر سے ہم کہیں

جو تم خدا خدا کہو تو ہم صنم صنم کہیں
کہ ایک ہی سی بات ہے وہ تم کہو یہ ہم کہیں

تمہارا پاسِ عشق ہے کہ چپ ہیں بولتے نہیں
وگرنہ حق کی بات کو تو دار پر بھی ہم کہیں

سبو ہو میرے ہاتھ میں تو کاسۂ گدا گری
جو تم اُٹھا لو جام کو تو لوگ جامِ جم کہیں

ستم گرانِ سادہ دل یہ بات جانتے نہیں
کہ وہ ستم ظریف ہیں ستم کو جو کرم کہیں

ملے ہیں تشنہ میکشوں کو چند جام اس لئے
کہیں نہ حالِ تشنگی کہیں تو کم سے کم کہیں

ایک آنسو بھی نہیں، دیدۂ نم سو گئے
رہروِ شب کے لئے کوئی کرن چاہیے
سوئے ہوئے لوگ تو سوئے ہوئے لوگ ہیں
کوئی جگا دے ہمیں، فتنۂ دوراں سہی
کون کہے وقت کی درد بھری داستاں
مقبرۂ وقت کی خوابگہِ جبر میں

غم کی کوئی حد بھی ہے، جذبۂ غم سو گئے
میکدہ جاگ گا کیا، دیر و حرم سو گئے
ہم کو ذرا دیکھئے، جاگ کے ہم سو گئے
رات پڑی ہے ابھی، شام سے ہم سو گئے
جادوئے شب چل گیا، اہلِ قلم سو گئے
کتنے خدا سو گئے کتنے صنم سو گئے

ایسی گھنی چھاؤں تھی منزلِ مقصود کی
جام و سبو سو گئے، طبل و علم سو گئے

حضرت محشرؔ لکھنوی

قطعہ

ابتدائے وجودِ آدم سے — زندگی آج تک پریشاں ہے
اس کو انساں کی بے حسی کہئے — لبِ فریاد بھی غزل خواں ہے
باہمی ربط کی کمی اے دوست — روشِ عام سے نمایاں ہے
ابھی انسانیت نہ فخر کرے — ابھی انساں سے دور انساں ہے

مرے حسنِ زندگانی تجھے پیار کیا کروں میں
جو قریبِ رنگ و بو ہو وہ بہار کیا کروں میں

مجھے دعوتِ محبت نہ دوائے حسیں نگاہو
غمِ زیست ہی بہت ہے غمِ یار کیا کروں میں

یہ حسابِ دوستاں ہے میں گناؤں کیا وفائیں
ترے کس قدر کرم ہیں یہ شمار کیا کروں میں

یہ مسرّتیں ہیں وقتی غمِ عشق جاودانی
مجھے پھول مل رہا ہے تو یہ خار کیا کروں میں

غم و عیش تجھ پہ صدقے دل و جاں ترے تصدّق
مگر اپنا کچھ نہیں ہے تو نثار کیا کروں میں

نہ سکوں نہ شادمانی نہ بہارِ زندگانی
مجھے کارواں نے چھوڑا تو غبار کیا کروں میں

یہ طلوعِ مہرِ نو ہے کہ بڑھا دی اور ظلمت
مجھے دن کی آرزو تھی شبِ تار کیا کروں میں

قطعہ

موسم برگ و بار کے دن ہیں — ہر کلی کے ابھار کے دن ہیں
دل کی افسردگی نہیں جاتی — جانے کیسے بہار کے دن ہیں

لطیف نکہت ہی چاندنی ہی عبادتِ رنگ و بو تو کرلیں — یہ وقت اپنی نماز کا ہے شراب لاؤ وضو تو کرلیں
یہ وقت یہ خوشگوار موسم یہ سازِ مطرب یہ ہلکی رِم جھم — سنیں گے واعظ کی بھی سنیں گے وداعِ جام و سبو تو کرلیں
یہ جانتے ہیں کہ زندگی میں بہار کے دن نہ آئیں گے پھر — حسین ہی دل کی خود فریبی کبھی کبھی آرزو تو کرلیں
وہ برہمن ہوں کہ شیخ صاحب عمل کی دنیا سے واسطہ کیا — کبھی ہم دل سے دل لگا کر یہی سہی گفتگو تو کرلیں
ہم اپنی وحشت کو جانتے ہیں اڑیں گی پھر دھجیاں اڑیں گی
بہار کے دن ہیں انتظاماً یہ جیب و داماں رفو تو کرلیں

طلبِ سکونِ حیات میں غمِ دو جہاں سے گذر گیا
نہ جبیں جھکی نہ رُکے قدم حرم و جہاں سے گذر گیا
دلِ کائنات چمک اُٹھا وہیں شمعیں نور کی جل گئیں
یہ میرے یقین کا قصور تھا یہ کمی تھی میری نگاہ کی
وہ خیال جس کے جلو میں تھیں چمن حیات کی بجلیاں
مری زندگی کا جمال تھا مری آرزوٗں کا نور تھا
وہ شوق و بزمِ حیات میں کہیں منتہائے نظر نہ تھا
ترے انتظارِ طویل میں مری آہِ دل کا دھواں تھا وہ
کسی مہ جبیں کے خیال میں یہ دلِ رسا کی رسائیاں

تری یاد میں دلِ مضطرب حدِ امتحاں سے گذر گیا
تری دھن میں، حاصلِ بندگی میں کہاں کہاں سے گذر گیا
تجھے لے کے چشمِ خیال میں میں جہاں جہاں سے گذر گیا
کہ وہ آ کے بزمِ خیال میں دلِ بدگماں سے گذر گیا
دبے پاؤں فصلِ بہار میں مرے آشیاں سے گذر گیا
وہی ایک شعلۂ مضطرب جو دلِ تپاں سے گذر گیا
کوئی جستجوئے جمال میں حدِ دو جہاں سے گذر گیا
جو بشکلِ موجِ بہارِ نو چمنِ جہاں سے گذر گیا
کبھی آسماں پہ سفر کیا کبھی کہکشاں سے گذر گیا

حضرت رسا بریلوی

طلبِ سکونِ حیات میں غمِ دو جہاں سے گذر گیا
تری یاد میں دلِ مضطرب حدِ امتحاں سے گذر گیا

نہ جبیں جھکی نہ رُکے قدم حرم و جہاں سے گذر گیا
تری دھن میں، حاصلِ بندگی میں کہاں کہاں سے گذر گیا

دلِ کائنات چمک اُٹھا وہیں شمعیں نور کی جل گئیں
تجھے لے کے چشمِ خیال میں میں جہاں جہاں سے گذر گیا

یہ میرے یقین کا قصور تھا یہ کمی تھی میری نگاہ کی
کہ وہ آ کے بزمِ خیال میں دلِ بدگماں سے گذر گیا

وہ خیال جس کے جلو میں تھیں چمنِ حیات کی بجلیاں
دبے پاؤں فصلِ بہار میں مرے آشیاں سے گذر گیا

مری زندگی کا جمال تھا مری آرزوؤں کا نور تھا
وہی ایک شعلۂ مضطرب جو دلِ تپاں سے گذر گیا

وہ شوق و بزمِ حیات میں کہیں منتہائے نظر نہ تھا
کوئی جستجوئے جمال میں حدِ دو جہاں سے گذر گیا

ترے انتظارِ طویل میں مری آہِ دل کا دھواں تھا وہ
جو بشکلِ موجِ بہار تو چمنِ جہاں سے گذر گیا

کسی مہ جبیں کے خیال میں یہ دلِ رسا کی رسائیاں
کبھی آسماں پہ سفر کیا کبھی کہکشاں سے گذر گیا

حضرت رسا بریلوی

حضرات مصطفیٰ خاں راہی سلطانپوری

قطعات

(۱)

جنوں نواز بہاروں سے مجھکو کہنا ہے
خرد بھی چاہیے تعمیرِ گلستاں کے لئے
وفا کی بات تو کچھ اور تھی مگر اے دوست
جفا بھی کم نہیں تکمیلِ داستاں کے لئے

(۲)

تیری ہمدردنگاہوں کو نہیں بھولا ہوں
اب بھی بیمار کے زخموں میں کسک باقی ہے
یوں تو حالات نے سب چھین لیا ہے پھر بھی
دل سے لپٹی ہوئی یادوں کی مہک باقی ہے

نہ پوچھیے ہم سکوں کی خاطر کہاں کہاں اور کدھر سے گذرے
کبھی تو زخموں کی آرزو کی، کبھی درِ چارہ گر سے گذرے

نہ جانے کیوں وہ تڑپ اُٹھے تھے جبیں پہ شکنیں بھی پڑ گئی تھیں
جب ان کے دار و رسن پہ بھی ہم، تبسم بے خطر سے گذرے

ہم اپنے زخموں کی یہ امانت نہ لٹنے دیں شب کی تیرگی میں
کبھی تو ممکن ہے ساتھیوں میں کوئی طلوعِ سحر سے گذرے

یہ آج کیا بات ہو گئی ہے کہ خود ہی تم منتظر کھڑے ہو
نہیں تو پہلے بھی بارہا ہم تمھاری اس رہ گذر سے گذرے

یہ انجمن کی بے اعتدالی، نہ جانے کیا کیا خیال اڑتا
اسے نہ تم بے رخی سمجھنا، جو احتیاطِ نظر سے گذرے

ہمارا اپنا شعورِ غم ہے، رموزِ ضبطِ الم نہ پوچھو
سمجھ سکیں گے اسے وہ کیا جو حکایتِ چشمِ تر سے گذرے

یہ اپنی تر دامنی ہی کہیے بھڑکتے شعلے بھی بجھ گئے ہیں
نہیں امیدِ کرم میں اکثر، فریبِ برق و شرر سے گذرے

انھیں سے سچ ہے، چمن کو راہی حیات کی تابشیں ملی ہیں
جنوں کا عزم و یقیں لیے جو خرد کی فکر و نظر سے گذرے

حضرت حبیب بھوپالی

قطعہ
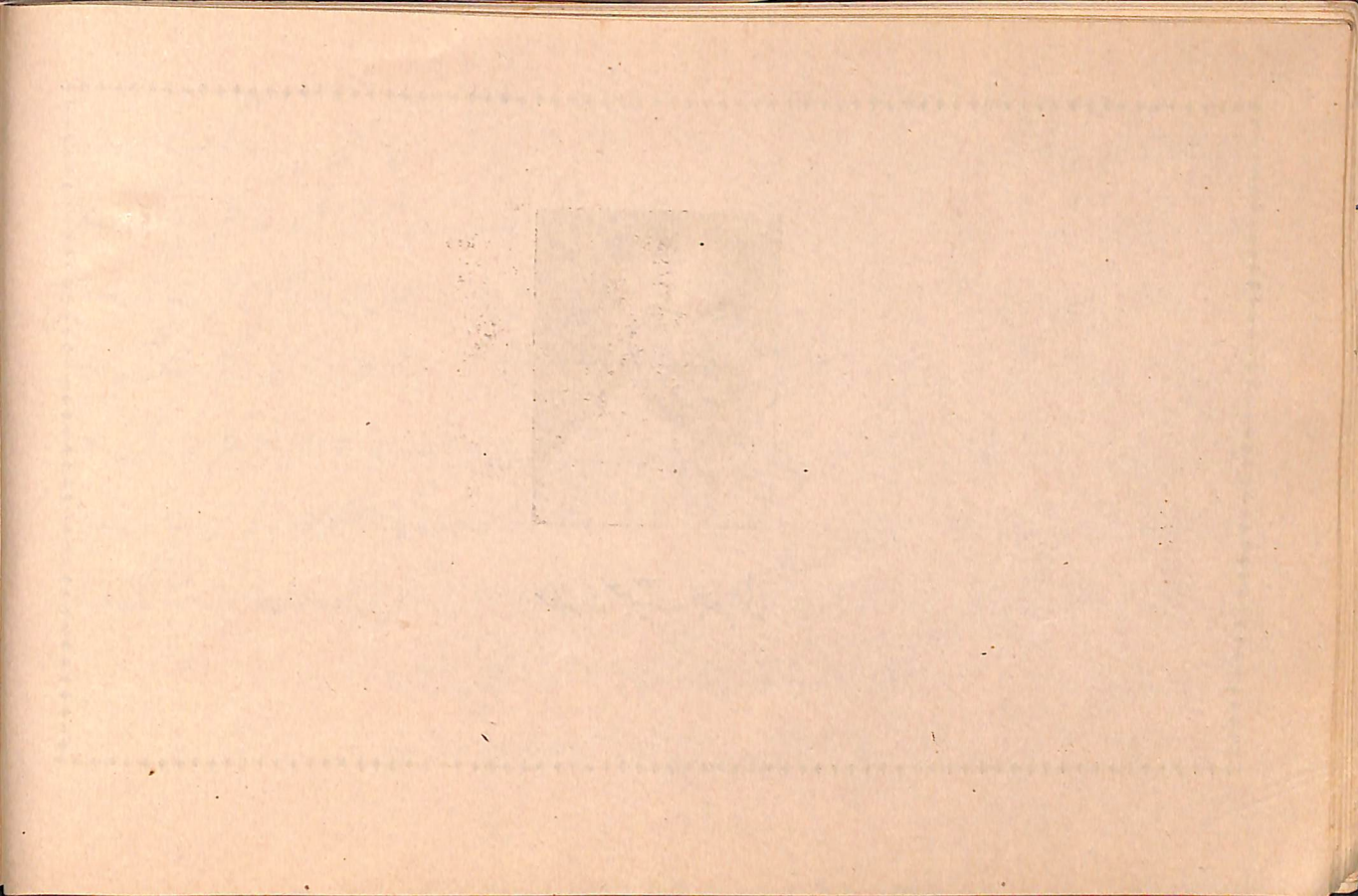
کس لئے وحشت سے ان بن چھوڑ دوں　　کیوں پرائی ضد میں گلشن چھوڑ دوں
جو گریباں کا مرے دشمن بنے　　کس طرح میں اس کا دامن چھوڑ دوں

جب زمانہ میں وہ عام ہو جائے گی ہر جفا ان کی ناکام ہو جائے گی

منزلِ عشق میں چل اُٹھا کے قدم اے مسافر تجھے شام ہو جائے گی

کیا خبر تھی محبّت میں یہ زندگی آفتابِ لبِ بام ہو جائے گی

آپ کے مسکرانے کا کیا جائے گا مفت میں آنکھ بدنام ہو جائے گی

صبح کو ہو کے رخصت وہ گھر جائیں گے روتے روتے یہاں شام ہو جائے گی

تم جو اک دن سرِ بام آجاؤ گے اک قیامت تہِ بام ہو جائے گی

دیکھ کر مئے کو دل اور للچائے گا توبہ ٹوٹی تو پھر جام ہو جائے گی

ختم ہو جائے گا ان کا بیمارِ غم آتے آتے انھیں شام ہو جائے گی

عشق میں تھی حبیب اس کی کس کو خبر موت کا زیست پیغام ہو جائے گی

حضرت نریش کمار شادؔ دہلوی

قطعات

ہر حسین کائرہ کے ماتھے پر (۱) اپنی رحمت کا تاج رکھتا ہے
تو بھی پروردگار! میری طرح عاشقانہ مزاج رکھتا ہے

زہر آلام کی ضرورت کیا (۲) سرخوشی کی نبات کافی ہے
ایک شاعر کی جان لینے کو ایک عورت کی ذات کافی ہے

ہر کلی مستِ خواب ہو جاتی (۳) پتّی پتّی گلاب ہو جاتی
تو نے ڈالیں نہ مئے فشاں نظریں ورنہ شبنم شراب ہو جاتی

نشۂ سیم و زر کے متوالے (۴) مانتا ہوں کہ تو نہیں پیتا
کوئی مے کش تری طرح لیکن آدمی کا لہو نہیں پیتا

زندگی ایک ضربِ کاری ہے (۵) زندگی شغل آہ وزاری ہے
پھر بھی کیا دل کشی ہے ظالم میں پھر بھی کم بخت کتنی پیاری ہے

کوئی مشکل نہیں ہے خوش رہنا (۶) یہ مگر شوق کی اہانت ہے
غم ہے محبوب اس لئے مجھ کو میرے محبوب کی امانت ہے

سخت جاں یوں تو اور بھی ہیں (۷) مجھ میں ہے جو کسی میں بات کہاں
میں تو خود حادثوں پہ گذرا ہوں مجھ پہ گذرے ہیں حادثات کہاں

حضرت رازؔ الہ آبادی

قطعات

(۱)
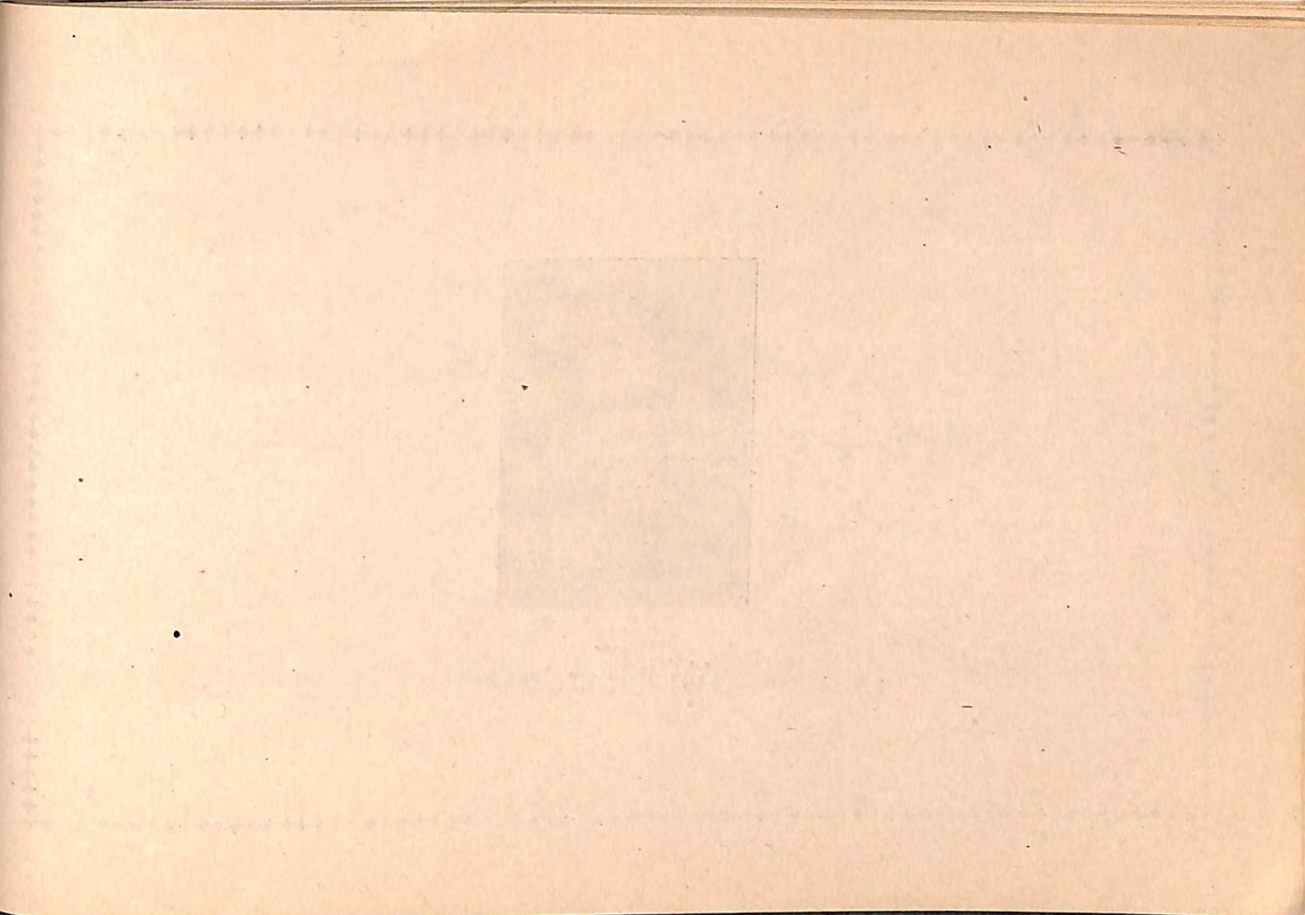
غیروں کو مئے گنگ و جمن دے نہیں سکتے   صیّاد کے ہاتھوں میں چمن دے نہیں سکتے
کیا چینِ دغا باز کو معلوم نہیں ہے   ہم جان تو دے دیں گے وطن دے نہیں سکتے

(۲)

مزدور کے ماتھے کی شکن دے نہیں سکتے   اب اہلِ وطن خاکِ وطن دے نہیں سکتے
بھارت تو بڑی چیز ہے کیا دیں گے کسی کو   ہم چین کے مُردوں کو کفن دے نہیں سکتے

آشیاں جل گیا گلستاں لٹ گیا ہم قفس سے نکل کر کدھر جائیں گے
اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

اور کچھ دن یہ دستور میخانہ ہے تشنہ کامی کے یہ دن گذر جائیں گے
میرے ساقی کو نظریں اُٹھانے تو دو جتنے خالی ہیں سب جام بھر جائیں گے

اے نسیم سحر تجھکو اُن کی قسم، اُن سے جا کر نہ کہنا میرا حالِ غم
اپنے مٹنے کا غم تو نہیں ہے مگر ڈر یہ ہے ان کے گیسو بکھر جائیں گے

اشکِ غم کے لیے اب کہاں جائیں ہم، آنسوؤں کی یہاں کوئی قیمت نہیں
آپ ہی اپنا دامن بڑھا دیجئے ورنہ موتی زمیں پر بکھر جائیں گے

کالے کالے وہ گیسو شکن در شکن وہ تبسم کا عالم چمن در چمن

کھینچ لی اُن کی تصویر دل نے میرے اب وہ دامن بچا کر کدھر جائیں گے

ور کچھ دن فریبِ بہاراں رہے، یہ نہ کہئے چمن میں خزاں آگئی
رنگ معصوم کلیوں کا اُڑ جائے گا اور پھولوں کے چہرے اتر جائیں گے

جانے کس کی طرف سے یہ پیغام لو اہلِ گلشن کو بادِ صبا دے گئی
جس قدر غنچہ و گل سے کھیلو گے تم راستے اور کانٹوں سے بھر جائیں گے

اور اتنا کرم مالکِ دو جہاں، ان کی قسمت کا غم بھی مجھے بخش دے
آج برباد کر کے میری زندگی کل یہ طوفانِ غم ان کے گھر جائیں گے

موت آواز دیتی ہے شاید انھیں جانے والے ہیں دنیا سے اہلِ وفا
راز ایسے میں کوئی غزل چھیڑ دو، قافلے زندگی کے ٹھہر جائیں گے

قطعہ

گلشن کی فقط پھولوں سے نہیں، کانٹوں سے بھی زینت ہوتی ہے — جینے کے لیے اس دنیا میں غم کی بھی ضرورت ہوتی ہے

جو آ کے رُکے دامن پہ صبا وہ اشک نہیں ہے پانی ہے — جو اشک نہ چھلکے آنکھوں سے اس اشک کی قیمت ہوتی ہے

تجھکو دریا دلی کی قسم ساقیا مستقل دور پر دور چلتا رہے — رونقِ میکدہ یوں ہی بڑھتی رہے ایک گرتا رہے اک سنبھلتا رہے

صرف شبنم ہی شانِ گلستاں نہیں شعلۂ گل کا بھی دور چلتا رہے — چشمِ پُرنم سے آنسو بھی چلتے رہیں اور دل سے دھواں بھی نکلتا رہے

تیرے چہرے پہ زلف بکھری ہوئی رات کی گود میں صبح نکھری ہوئی — اور اس پر قیامت یہ ذوقِ نظر دل ہے آخر کہاں تک سنبھلتا رہے

تیرے قبضہ میں ہے یہ نظامِ جہاں تو جو چاہے تو صحرا بنے گلستاں — ہر نظر پر تری پھول کھلتے رہیں ہر اشارے پہ موسم بدلتا رہے

ہو شمع فروزاں کہ گل ہائے تر دونوں ہی سے ہے زینت چمن کی مگر — اے صبا اپنی اپنی یہ تقدیر ہے کوئی کھلتا رہے کوئی جلتا رہے

حضرت عمر قریشی

قطعات

(۱)

حاصل شکوۂ ارباب جفا ہی کیا ہے
بھول بیٹھے جو مجھے آپ خطا ہی کیا ہے

آج کے دورِ تجارت میں محبت کے لیے
ایک نادار سے پیمانِ وفا ہی کیا ہے

(۲)

کبھی کھوئے کبھی حیران ملے ہو مجھ کو
تم محبت میں پریشان ملے ہو مجھ کو

میری خاطر تمھیں غم سہنے پڑے ہیں لاکھوں
اپنے ہی گھر میں تم انجان ملے ہو مجھ کو

(۳)

مری جبینِ عقیدت سلام کہتی ہے
قبول ہو کہ محبّت سلام کہتی ہے

عمر کے پاس تو کچھ بھی نہیں مگر اے دوست
تمھارے غم کی امانت سلام کہتی ہے

نظروں کی اگر غماز بن جائے تو کیا ہوگا
جنوں کا حوصلہ آواز بن جائے تو کیا ہوگا

ابھی تو بارگاہِ حسن میں سجدوں کی بارش ہے
نیازِ عشق بڑھ کر ناز بن جائے تو کیا ہوگا

لگا لیں مہرِ خاموشی لبوں پر ہم مگر کب تک
جو ہر تارِ رگِ جاں ساز بن جائے تو کیا ہوگا

نہ پوچھو احتیاطِ رازِ غم اب دل سے ڈرتا ہوں
کہیں یہ رازداں غماز بن جائے تو کیا ہوگا

نہ ٹھکراؤ تم اپنے چاہنے والوں کو نفرت سے
تمہارا یہ ستم اعجاز بن جائے تو کیا ہوگا

تغافل بر بنائے مصلحت مانا، مگر ڈر ہے
عمرؔ یہ حسن کا انداز بن جائے تو کیا ہوگا

قطعہ

حیات اپنی غموں سے چور کیوں ہے
کوئی جابر کوئی مجبور کیوں ہے
یہ مانا ہے یہی دستورِ دنیا
مگر دنیا کا یہ دستور کیوں ہے

ہر اندھیرے سے کرن بن کے گذر جاتی ہے
کیا محبت ہے جو انجام سے ڈر جاتی ہے
ایسی معصوم کہ ملتی ہی نہیں اس کی نظر
اتنی ہشیار کہ ہر دل میں اُتر جاتی ہے
مجھ کو پہچان گئی تیرے بدن کی خوشبو
میرے نزدیک صبا آ کے ٹھہر جاتی ہے
کوئی عالم ہو میرا نشّہ اترتا ہی نہیں
اک نظر ہے جو مرے جام کو بھر جاتی ہے

قطعہ

ہمیں جی بھر کے تڑپا لیں مگر اتنا تو بتلا دیں
نقابِ رُخ نہ اُٹھے گی تو صورت کون دیکھے گا

قیامت ہی اٹھانی ہے تو پردہ بھی اُٹھا دیجئے
اگر پردہ ہی میں آئی قیامت کون دیکھے گا

حضرت انور مرزا پوری
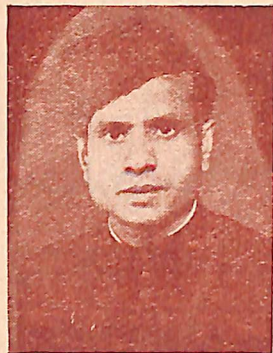
تجھے دیکھ کر آج دل چاہتا ہے کہ ہم تجھ کو آنکھوں پہ اپنی بٹھائیں
اگر آسماں تک رسائی ہو اپنی تو ہم تجھ کو تاروں کی مالا پنہائیں

تبسم رہے عمر بھر تیرے لب پر ترے پاس آنے نہ پائیں بلائیں
ترا غم بھی اے کاش مل جائے ہم کو مگر تیری آنکھوں میں آنسو نہ آئیں

تری زندگی میں کھلیں پھول ایسے کہ جن سے خزاں اپنا دامن بچائے
ترے گلستاں میں کچھ ایسی کشش ہو بہاریں جب آئیں تو واپس نہ جائیں

ترے پاؤں کو دھوئیں پھولوں کے رس سے تجھے آج نہلائیں ہم چاندنی میں
ترے سر پہ مہتاب کا تاج رکھ دیں تری راہ میں کہکشاں ہم بچھائیں

ترے گیسوؤں کی یہ زنجیر توبہ ہمیں، عمر بھر قید رہنا پڑے گا

یہ آنکھیں ہیں یا میکدہ اللہ اللہ یہ جی چاہتا ہے یہیں ڈوب جائیں

لباسِ گُہر وہ بھی سیمیں بدن پر جنھیں دیکھ کر مسکراتے ہیں تارے
مگر ایک ہم منتظر ہیں تمھارے جو تم مسکراؤ تو ہم مسکرائیں

ابھی تم نہ چہرے سے پردہ ہٹانا ابھی مسکرا کر نہ بجلی گرانا
ابھی تو بنا بھی نہیں آشیانہ ابھی صرف تنکے ہیں یہ جل نہ جائیں

جفا ان کی فطرت وفا اپنی عادت اسی کو تو کہتی ہے دنیا محبت
مزہ تو ہے جب زندگی یوں ہی گذرے نہ وہ باز آئیں نہ ہم باز آئیں

ابھی تو جواں بھی نہیں میری توبہ ابھی اپنے سر سے نہ آنچل ہٹانا
مری تشنگی مسکرائے گی مجھ پر جو اُمڈیں گی زلفوں کی کالی گھٹائیں

حضرت شمسی مینائی

قطعات

بے عمل چشمِ تر سے کیا ہو گا (۱) صرف دردِ جگر سے کیا ہو گا
دل کی حالت اگر نہیں بدلی احتیاطِ نظر سے کیا ہو گا

کس دل میں کس خیال میں بستا ہے آدمی (۲) کیوں زندگی کو آج ترستا ہے آدمی
بازارِ عقل و ہوش کی حالت عجیب ہے مہنگی ہر ایک چیز ہے سستا ہے آدمی

آنچ آئی ہے اپنے گلشن پر (۳) پوچھتا ہوں ملال کس کو ہے
آبرو کا سوال کیوں اُٹھے آبرو کا خیال کس کو ہے

ساقی کو پکارا کبھی مطرب کو صدا دی (۴) غم خانے میں بھی میں نے تو اک دھوم مچا دی
سب اپنی تباہی پہ بہاتے رہے آنسو میرا ہی کلیجہ تھا کہ یہ رسم اُٹھا دی

سامنے سے یہ کون گذرا تھا　　آنکھوں آنکھوں میں رات گذری ہے
کون گذرا مرے قریب سے یوں　　جیسے کُل کائنات گذری ہے
بکھری زلفیں سنوارنے والے　　میں نے سمجھا کہ رات گذری ہے

کِس لئے بے اثر ہے بے رس ہے
کتنے ہونٹوں سے بات گذری ہے

جہاں یہ فکر رہتی ہے کرے انسان زر پیدا
وہاں صدیوں میں بھی ہوتے نہیں اہلِ نظر پیدا

بہت ہیں آنکھ کے ڈھانچے مگر محروم بینائی
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خرد چنتی ہے دیواریں لہو کی دین و حکمت کی
جنوں کرتا ہے سر کی زد سے دیواروں میں در پیدا

نقابِ رُخ بھی معنی کوئی رکھتی ہے تماشائی
کرے جلوؤں کا طالب پہلے آدابِ نظر پیدا

وہ چڑیاں چہکیں، تارے جھلملائے لو ہوئی پھیکی
ہوئے پھر رات کے سینے سے آثارِ سحر پیدا

خزاں کا دور دورہ بھی ہمیشہ رہ نہیں سکتا
انھیں شاخوں میں پھر ہوں گے کبھی برگ و ثمر پیدا

جنوں والوں نے چل چل کر بنائیں راہیں کانٹوں میں
کیے ہیں دعوے دارانِ خرد نے راہبر پیدا

زمانہ حضرتِ واعظ کی تقریروں، پہ ہنستا ہے
رہیں خاموش گر شاید تو ہو کوئی اثر پیدا

قفس سے چھُٹ کے بھی صیّاد کے مرہونِ منت ہیں — ابھی برسوں میں شاید کر سکیں ہم بال و پر پیدا
زمانہ ساتھ چل دیتا ہے اکثر اہلِ قوت کے — ہوا کے ساتھ ہوتے ہیں بگولے ہم سفر پیدا

وہ آنسو بو رہا ہوں کشت زارِ ملک و ملّت میں
کہ جن سے ہوتے ہیں مخمورؔ شعلے اور شرر پیدا

حضرت محمد علی شیدا لکھیم پوری
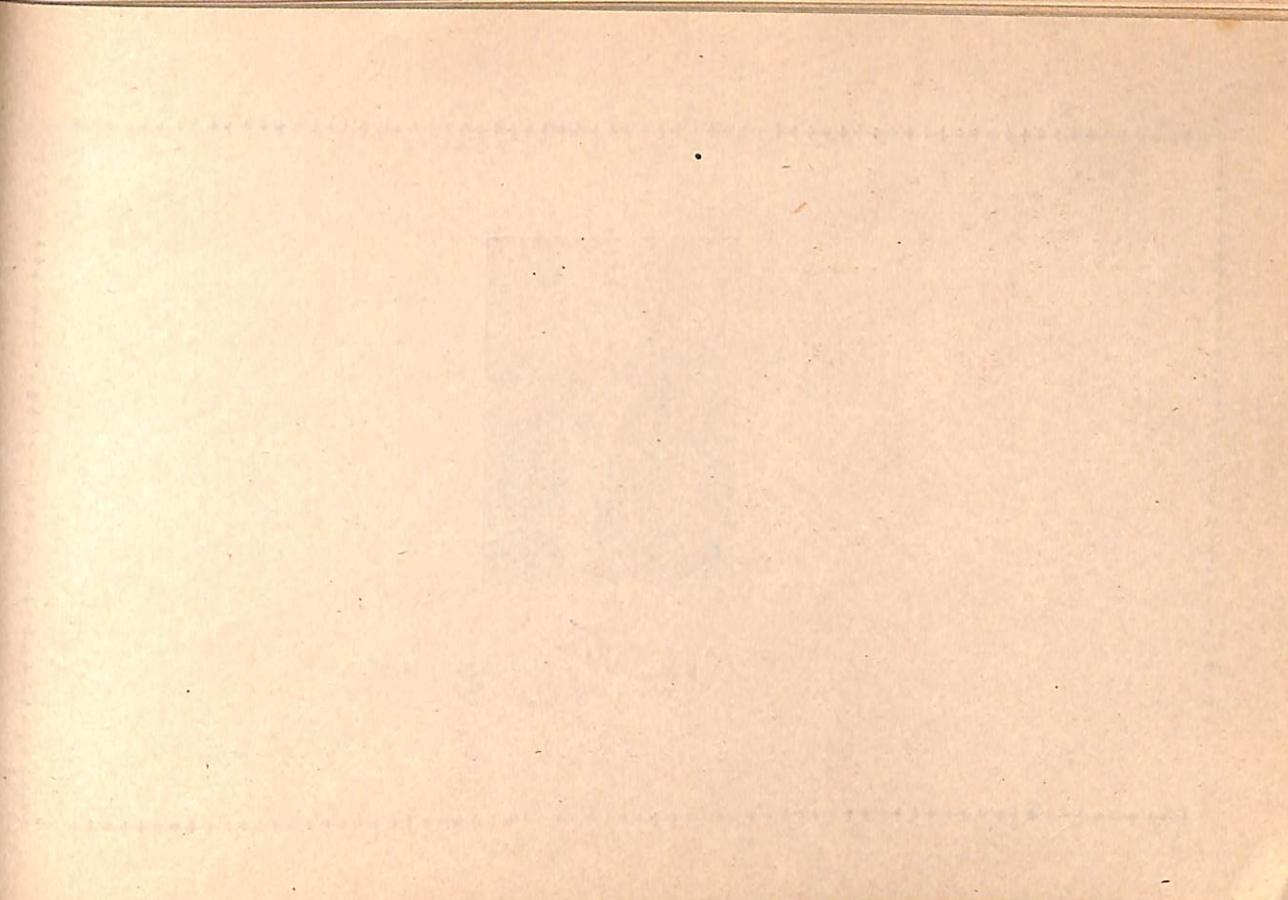
لب سی لیے کبھی تو کبھی اشک پی لیے
جیسے بھی ہو سکا تری فرقت میں جی لیے

گلچیں تری نگاہ نہ اس کو سمجھ سکی
پھولوں کے ساتھ خار بھی ہیں دلکشی لیے

ظاہر نہ ہو سکا غمِ پنہاں کسی طرح
ہم ان سے جب ملے تو لبوں پر ہنسی لیے

اب کیا تمھارے جور کا شکوہ کریں گے ہم
ہم نے تو اپنے ہاتھ سے لب اپنے سی لیے

اس دورِ کشمکش میں جیے جا رہا ہوں میں
سینے میں بے پناہ غمِ زندگی لیے

ڈوبی ہوئی ہے درد میں شیداؔ ہر ایک سانس
ہوں اس کے باوجود بھی لب پر ہنسی لیے

آنسو وفورِ غم سے جو آنکھوں میں آ گئے
حسنِ مذاقِ عشق کی عظمت گھٹا گئے

نظریں ملا کے خود ہی وہ نظریں چرا گئے
اک جنبشِ نگاہ سے دو رُخ دکھا گئے

جذبِ نگاہِ شوق کا اعجاز الاماں
جلوے کسی کے کھنچ کے حدِ دل میں آ گئے

صحبت نگاہ ناز کی دل کو جو مل گئی
آنا نہ تھے جو اس کو انداز آ گئے

نظروں میں کچھ طلب تھی نہ لب پر کوئی سوال
ایسے بھی ان کی بزم میں ہم بار ہا گئے

وارفتگیِ عشق میں بھی یہ رہا خیال
حد سے بڑھے کہ حسن پہ الزام آ گئے

دیر و حرم بھی منزلِ مقصد نہ بن سکے
ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ منزل کو پا گئے

ہر ایک غم میں ملنے لگیں راحتیں ہزار
میری حیاتِ غم پہ وہ اس طرح چھا گئے

اک دل مٹا سحرؔ تو ملا غم ہے بیکراں
کھویا نہیں تھا اتنا کہ ہم جتنا پا گئے

حضرت انوار الحسن سحر لکھیم پوری

آہِ سوزاں کھینچتا ہوں عشق کی منزل سے دور
شمع روشن کر رہا ہوں آپ کی محفل سے دور

نا امیدانِ محبت کاروانِ دل سے دور
ہو گئے کوسوں سکون و ضبط کی محفل سے دور

وہ ہلالِ ابروئے جاناں ہو یا بدرِ جمال
آج تک ہوں امتیازِ ناقص و کامل سے دور

دیکھئے تو بے حسی ان کے خرامِ ناز کی
ہٹ گئے دامن جھٹک کر میری خاکِ دل سے دور

تنگ آ کر جان سے ہیں گور کی منزل کے پاس
یہ ستم کیسا کہ اب بھی ہم ہیں ان کے دل سے دور

ان غلط اندازِ نظروں کی بدولت بار بار
کاروانِ دل ہوا ہے جادۂ منزل سے دور

بحرِ عالم میں فنا کا گھاٹ جب پہنچا قریب
کشتیٔ عمرِ رواں بھی ہو گئی ساحل سے دور

قابلِ تقلید ہے مسعودؔ یہ سادہ روش
حق کو جو سمجھا وہ گویا ہو گیا باطل سے دور

کریں بھی شکوہ تو کس منہ سے ہم بہاروں کا　　سہاگ لوٹ لیا ہم نے لالہ زاروں کا

ہزاروں پھول دیے ہیں خزاں کے سینے میں　　کلیجہ چیر کے دیکھو تو خارزاروں کا

مجھے تلاطمِ طوفاں سے ربط رکھنے دو　　کہ ڈوب کر ہی ملے گا پتہ کناروں کا

سیر نظر ہیں فقط سرخیاں محبت کی　　کھُلا نہ بھید محبت کے رازداروں کا

بتا رہی ہے ہماری یہ آبلہ پائی　　گلُوں سے کم نہیں نازک مزاج خاروں کا

بغور دیکھ رہا ہوں تلاطمِ ہستی　　بدل بدل کے ہیں رُخ بحرِ غم کے ماروں کا

بنیں گے شافعِ محشر جو ناخدا مختاؔر
تو پار ہوگا سفینہ گناہگاروں کا

حضرت مختار حسن مختارؔ لکھیم پوری
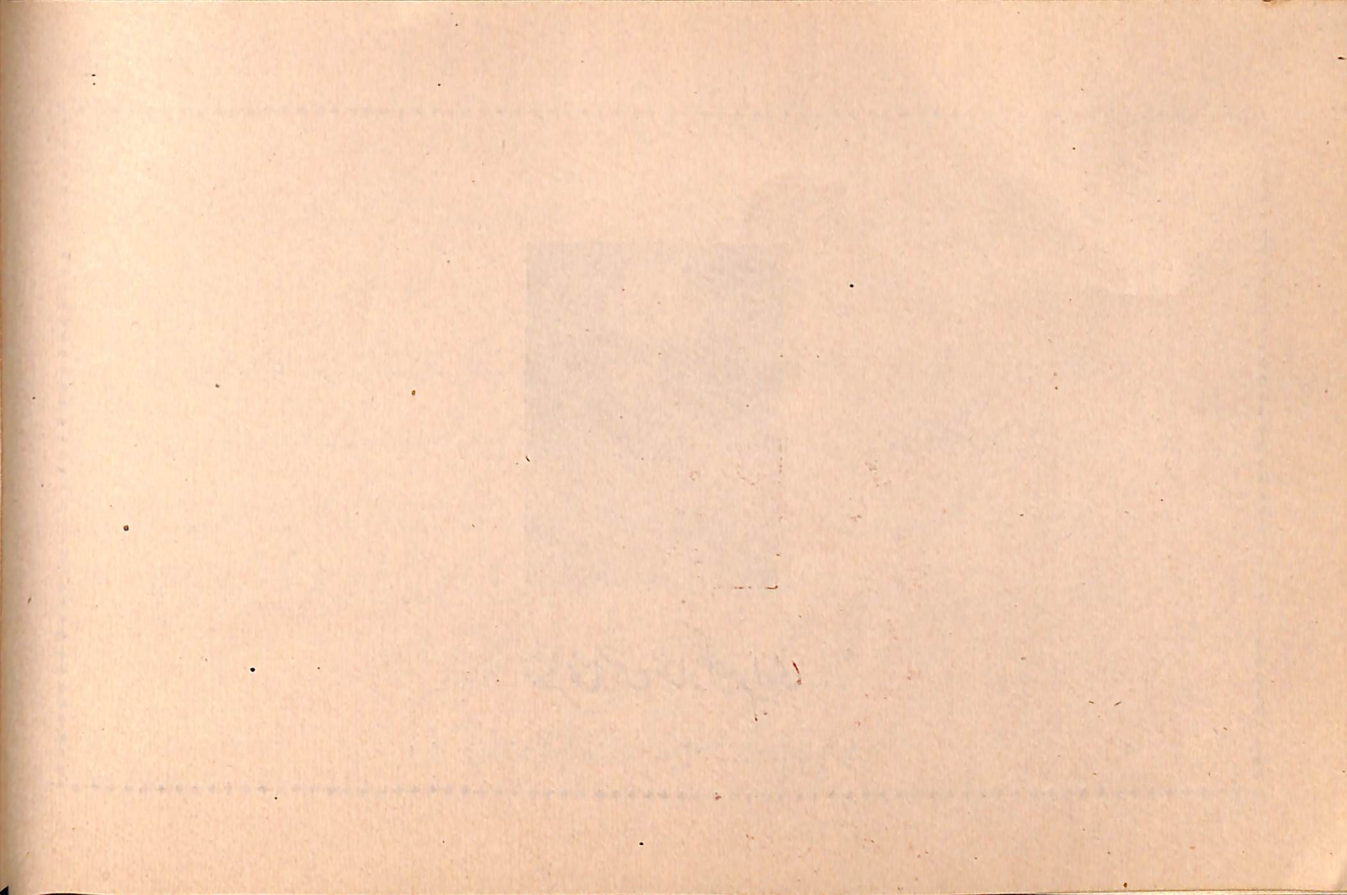
دورِ نظم و گیت
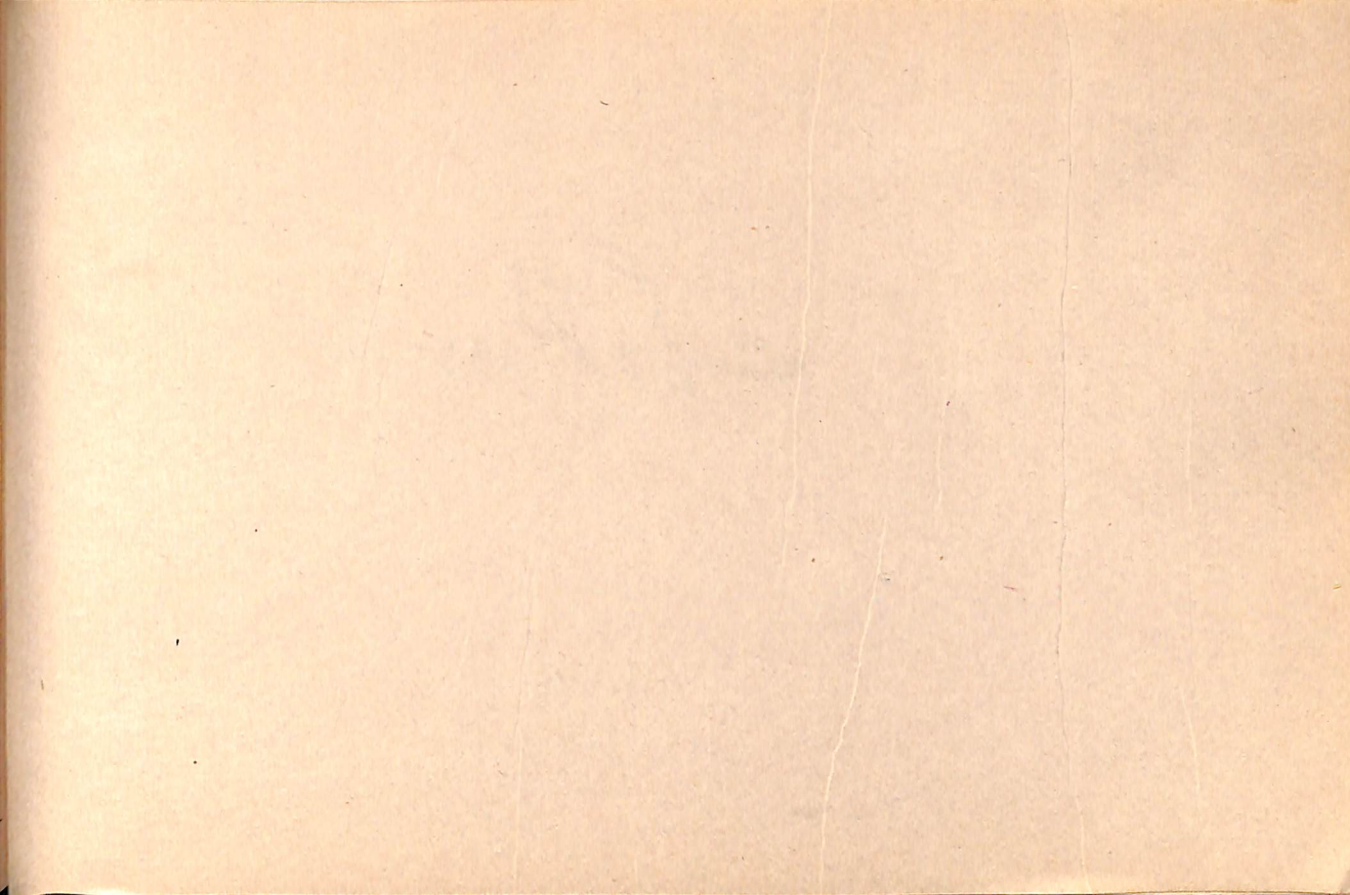
چینی حملے کے بعد

حضرت شمسی مینائی

شاعر نے ہر قدم پہ جگایا ہے قوم کو
ظلمت میں راستہ بھی دکھایا ہے قوم کو

سرحد کے حال چال سے مجبور ہو گیا
رنگینیٔ خیال سے میں دور ہو گیا

اب زندگی کا شور ہے شعلہ دہن بنو
جب کوہ سامنے ہے تو پھر کوہ کن بنو

کیلاش اپنے نامۂ اعمال میں نہیں
پہلے تو رہ چکا ہے مگر حال میں نہیں

یہ کیا غضب ہے مان سرور بھی کھو چکے
دریائے سندھ و سانگ پو[1] کنگال ہو چکے

آسامیوں کا تیاگ ہے خطرہ میں آجکل
کشمیر کا سہاگ ہے خطرہ میں آجکل

رشتہ جو "پاک جھیل" سے یوں ٹوٹ جائیگا
پھر زندگی کا کوئی کنول کھل نہ پائیگا

[1] دریائے برہمپتر کو تبت میں سانگ پو بھی کہتے ہیں،

سوچو ذرا تو "شیو کے وہ استھان" کیا ہوئے
دنیا میں جگمگانے کے ارمان کیا ہوئے

گنگوتری کی گود سلامت کہاں ہے اب!
ہم سے بہت ہی دور قیامت کہاں ہے اب

برباد زندگی کا اُجالا کیا گیا!
جس دم بدن کو سر سے الگ کر دیا گیا

گنگا کو پاک کہتے ہیں، ان سے سوال ہے!
"گنگا کا سر ہے خطرہ میں" اب کیا خیال ہے!

بڑھ جائیں کتنے اور بھی آلام، سوچیے
گنگا جو سوکھ جائے تو انجام سوچیے

"ہندوستاں کے دھرم کا مخزن ہمالیہ"
"ہر دیوتا کا آخری مسکن" ہمالیہ

اٹھو! کہ زندگی کے یہ چشمے نکل نہ جائیں!
دوڑو! ہری دوار کے معنی بدل نہ جائیں!

لگ جائے آگ ہی نہ کہیں اس بہار میں!
بدلے ہری دوار نہ "چینی دوار" میں!

جینا ہے چار دن تو ہر اک اختیار ہو
مرنا ہے ایک دن تو ذرا شاندار ہو

میں ہندوستان میں کیوں رہتا ہوں

حضرت شمسی مینائی

اس واسطے نہیں کہ یہاں ظلم کم ہوا
اس واسطے نہیں کہ تعصب نہیں رہا
اس واسطے نہیں کہ وفاؤں کی قدر ہے
اس واسطے نہیں کہ یہاں جرم گھٹ گئے
اس واسطے نہیں کہ یہاں مفلسی نہیں
اس واسطے نہیں، کوئی شکوہ نہیں رہا
مستقبلِ حسیں کی علامات مل گئیں

اس واسطے نہیں کہ کرم دمبدم ہوا
ہر فعل ہر نظر کا تعقب نہیں رہا
غیرت کی، شوخیوں کی، اداؤں کی قدر ہے
بربادیٔ عوام کے ایّام کٹ گئے
عریانیٔ تمام کہ فاقہ کشی نہیں!
تہذیب اور زبان کو خطرہ نہیں رہا
اربابِ فن کو تازہ مراعات مل گئیں

اس واسطے نہیں کہ مسرت نصیب ہے
اس واسطے نہیں کہ کوئی آرزو نہیں
سوزِ طرب لیے تو جنونِ خوشی لیے
میرے بھی دل میں زخمِ جگر کی خراش ہے
اس واسطے نہیں کہ کوئی راستا نہیں
اس واسطے کہ میں نے یہاں پر جنم لیا
آب و ہوا کا کیف لہو میں رچا ہوا
تنہا یہی نہیں کہ وطن ہے مرا وطن
یہ صاف مرے گھر مرے حق کا سوال ہے

عہدہ ملا ہوا ہے نظامت قریب ہے
شاداب رنگ و بو کی مجھے جستجو نہیں
میں بھی ہوں اپنے ساتھ غمِ زندگی لیے
انسان ہوں مجھے بھی سکون کی تلاش ہے
پھر بھی یہاں سے بھاگ کے اب تک گیا نہیں!
درسِ جنونِ شوق یہیں ہر قدم لیا!
مٹی کا بانکپن ہے رگوں میں بسا ہوا!
میں نے بھی اپنے خون سے سینچا ہے یہ وطن!
یہ حق بھی مجھ سے چھین لے! کس کی مجال ہے!

اس واسطے کہ ظلم روا ہے کہاں نہیں ؟
کوئی بتا دے بڑھ کے مجھے ایسی سرزمیں
بدلی سی شکل میں ہے تعصّب کہاں نہیں ؟
جو کچھ ہوا ، خبر تو ہے آدم کی جاہ سے
اس واسطے کہ خوف سے جانا حرام ہے
اس واسطے کہ ٹھوس حقیقت یہیں تو ہے
اس واسطے کہ میری بھی کچھ نظر نہیں
اس واسطے کہ دل کی لگی تو یہاں بھی ہے
چاہے یہاں پہ بھوک سے مرنا پڑے مجھے

دھرتی نئی کہیں بھی نیا آسماں نہیں !
محنت کا خون آج کہاں چوستے نہیں !
وہ کون سی جگہ ہے کوئی غم جہاں نہیں !
خلدِ بریں بھی پاک نہیں ہے گناہ سے
ذاتی غرض میں سب کو بھلانا حرام ہے
اجداد کی تمام وراثت یہیں تو ہے
دستِ اجل سے جا کے کہیں بھی مفر نہیں
جو ہر جگہ خدا ہے وہی تو یہاں بھی ہے
شعلوں کے درمیاں بھی گذرنا پڑے مجھے

مرگ و کفن کے میل سے ڈرتا نہیں ہوں میں
دار و رسن کے کھیل سے ڈرتا نہیں ہوں میں

ان سختیوں سے ضبط کی پونجی نہ جائے گی
تیغوں کی چھاؤں میں بھی ہنسی لب پہ آئے گی

گذرے گی جو بھی مجھ پہ سہوں گا یہیں پہ میں
تنہا بھی رہ گیا تو رہوں گا یہیں پہ میں

"چاند تاروں پہ جانے سے پہلے"

حضرت شمسی مینائی

ہم ظفریاب ہیں فطرت کے اشاروں پہ اگر
ہاں پہنچنے کو تو پہنچیں گے ستاروں پہ مگر!

کیا وہاں جائیں گے ہم سب یہ روایات لیے
لوٹ کی، ظلم کی، بیداد کی سوغات لیے

کیا یہی جنگ و جدل چل کے مچانے کے لیے
ندیاں خوں کی وہاں پر بھی بہانے کے لیے

ساتھ چنگیز کی، نادر کی ادائیں لے کر
اور یہ اخلاق جو نادار ہوا جاتا ہے

عشق کی چوٹ بھی کھانے کا سلیقہ نہ رہا
سونے چاندی میں محبت کو بھی تولا ہم نے

کتنی دلچسپ ہے اس دور کی فنکاری بھی
ان گنت لوگ سسکتے ہیں وباؤں کے تلے

خوف و دہشت کا یہی راج وہاں بھی ہو گا
رنگ اور نسل کی تفریق لیے پہنچیں گے

جُہدِ انساں کہ یہ "جاگیر" بھی غارت ہو گی
خونِ انساں میں شرابور قبائیں لے کر

دن بدن اور بھی بیمار ہوا جاتا ہے
حسن کے ناز اُٹھانے کا سلیقہ نہ رہا

اپنے مہمان کی جیبوں کو ٹٹولا ہم نے
"نعرۂ امن" بھی ہے جنگ کی تیاری بھی

جھوٹ بھی جھوٹ کی گھنگھور گھٹاؤں کے تلے
کیا یہی تخت، یہی تاج وہاں بھی ہو گا

اپنی تہذیب کی تصدیق لیے پہنچیں گے
کیا وہاں بھی یہی قوموں کی تجارت ہو گی

اپنی دنیا کو بہر طور سجا لیں پہلے
رنگ اور نسل کی تفریق مٹا لیں پہلے

ذہن آزاد، کسی لب پہ بھی فریاد نہ ہو
دِل کی دھڑکن سے کہیں نسبتِ صیاد نہ ہو

ہم وہاں جائیں تو ہر قوم کا ارمان رہے
اک نیا روپ، نیا جوش، نئی شان رہے

"فخرِ مغرب" نہ وہ "مشرق کا نگہباں" پہنچے
میرا مطلب ہے وہاں پہنچے تو انساں پہنچے

حضرت ساغر مہدی

نذرانہ

حضرت ساغر مہدی
از بہرائچ

تیری ہر شام ہے بہکی ہوئی بدمست بہار
تیری ہر صبح ہے دنیائے محبّت کا خمار
تیری مٹّی میں ہے آزاد امنگوں کی پکار
اسی مٹّی سے کھلا ہے مرے دل کا گلشن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں تجھے کیا نذر کروں

گنگناتی ہوئی گنگا ہے تری باہوں میں
مسکراتی ہوئی جمنا ہے تری باہوں میں
تاج کا حُسن دوبالا ہے تری باہوں میں
یہ اجنتا و ایلورا کا ابھرتا ہوا فن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں..........

ترا نغمات کا بکھرا ہوا اسیمیں آنچل
جیسے ٹیگور کے گیتوں کی کھنکتی پائل
غالب و میر کی پیمانہ درِ آغوش غزل
جھوم اٹھتا ہے جسے سُن کے ہر اک اہلِ سخن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں........

میرے عنواں کو کہانی اسی دھرتی پہ ملی　　　میرے بچپن کو جوانی اسی دھرتی پہ ملی
میرے گیتوں کو روانی اسی دھرتی پہ ملی　　　میری آواز میں ہی تیرے ہی دل کی دھڑکن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں..........

ایک آدرش ہی یہ سارے زمانے کے لیے　　　خون سے تیری بہاروں کو سجانے کے لیے
اپنی مانگوں کا یہ سیندور مٹانے کے لیے　　　کتنی اوشائیں اٹھا لائی ہیں اپنے کنگن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں..........

تیرے دامن کی ہواؤں میں ہے ماں کی ممتا　　　وقت کی دھوپ میں سر پہ ہے ترا ہی سایا
تیری باہوں کو کوئی غیر نہیں چھو سکتا　　　تجھ پہ جو آنکھ اُٹھائے وہ ہمارا دشمن

اے مرے پیارے وطن! سوچتا ہوں..........

حضرت نشاط الکھیم پوری

بھارت ماتا کی پکار

حضرت نخت بہادر
نشاط لکھیم پوری

یہ مادر وطن کا ہر اک سے پیام ہے
تم خوش رہو یہ دل سے دعا صبح و شام ہے
بھارت کے لاڈلے ہو سپوتوں میں نام ہے
ماتا اگر ہو دکھ میں تمہیں سکھ حرام ہے
چوٹی ہمالیہ کی ہے دشمن دبوچتا
یا ماں کے سر کے بال ہے رہ رہ کے نوچتا

دشمن ہے کون، نام سنا ہوگا چین کا
وہ جس کی دوستی پہ گماں تھا یقین کا
پھنکارتا ہے اب وہی سانپ آستیں کا
اڑنے کو عرش پہ ہے کھلونا زمین کا
سر میں ہوائے حرص سمائی ہے دور کی
اندھے کو روشنی نظر آئی ہے دور کی

وہ چاہتا ہے عرش کے تاروں کو توڑنا
مٹھی میں قید کر کے ہوا کو نہ چھوڑنا
یا سر کی ٹکروں سے ہمالے کو پھوڑنا
چن چن کے سنگریزوں سے امرت نچوڑنا
سمجھایا لاکھ سر سے نہ دیوانہ پن گیا
حد ہو گئی جنوں کی، وہ فرعون بن گیا

فرعونیت کے واسطے موسیٰ ہے لازمی
خمیازۂ مذاقِ تمنّا ہے لازمی

اس وحشتِ ہوس کا مداوا ہے لازمی
یعنی جراحتِ رگِ سودا ہے لازمی

کچھ ہو مگر سکونِ دلِ ناصبور ہو
وحشت ہو دور یا سرِ شوریدہ چور ہو

یہ امتحاں خلوصِ محبّت کا آج ہے
ویرو، تمھارے ہاتھ میں ماتا کی لاج ہے

خبطی کی موت، وحشتِ دل کا علاج ہے
تم صلح کن ہو اور وہ مفسد مزاج ہے

اس کا خیال کیا ہے، تمھارا خیال کیا
عزّت کے آگے رحم و کرم کا سوال کیا

یہ وقت وہ ہے اب نہ اہنسا کا نام لو
جے ہند کہہ کے ہاتھ میں تلوار تھام لو

یوں دشمنوں پہ ٹوٹ پڑو انتقام لو
ہر معرکے کو سر کرو ہمّت سے کام لو

شمشیرِ آبدار سے دریا بہاؤ تم
اور چینیوں کے خون میں گنگا نہاؤ تم

تم سورما ہو، تم ہو جری، تم یگانۂ فن — رگ رگ میں خونِ بھیشم و ارجن ہے موجزن

میدانِ جنگ میں ہو مہا بھارتی لگن — تیر افگنی میں بن کے رہو، رام و لکشمن

تیروں سے خاک و خون میں لاشے لپیٹ دو — نام و نشان کلجگی راون کا میٹ دو

اس دکھ بھری پکار نے دل کو ہلا دیا — یا یوں کہو کہ جامِ شجاعت پلا دیا

جاؤ۔ وفا کا یہ تو نے اچھا صلا دیا — ہم کیا۔ اگر نہ خاک میں تجھکو ملا دیا

یہ فرض اوّلیں ہے جئیں یا کہ ہم مریں — تن من سے دھن سے حقِ سعادت ادا کریں

ایسے ہزار کھیل تو کھیلے ہوئے ہیں ہم — طوفانِ بے پناہ کو ریلے ہوئے ہیں ہم

جنگ و جدل کی کلفتیں جھیلے ہوئے ہیں ہم — اور دشمنوں پہ غالب اکیلے ہوئے ہیں ہم

ضد پر اڑیں تو شیروں کی گردن مروڑ دیں — تلوار کیا ہے توپ کا رُخ بڑھ کے موڑ دیں

چاؤ۔ یہ کیا سمجھ کے دیا تو نے ہم کو داؤں
ہے وہ مثل "ہماری ہی بلّی، ہمیں سے میاؤں"

کھولا جو خوں، اُمڈ چلا بھارت کا گاؤں گاؤں
انگد کی طرح رن میں جمانے کو اپنے پاؤں

ہم نوجواں ہیں، دیش کے ہم جاں نثار ہیں
دکھیاری ماں کے دکھ بھرے دل کی پکار ہیں

طفلی سے ہم جوانوں کے ہیں مشغلے جواں
پل کر ہوئے ہیں تیغ کے سائے تلے جواں

دل ہی جواں، دماغ جواں، ولولے جواں
ہمت جواں ہے، عزم جواں، حوصلے جواں

شعلہ ہیں، اگن بان ہیں، برق بلا ہیں ہم
دشمن کے سر پہ کھیلنے والی قضا ہیں ہم

پیرو ہیں ہم نشاط بھرت سے دلیر کے
بچپن میں جس نے دانت اکھاڑے تھے شیر کے

چینی ضرور بھاگیں گے منہ پھیر پھیر کے
ماریں گے ایک ایک کو ہم گھیر گھیر کے

چاہے مقابل آئیں زمانے کے سربلند
جھنڈا ہماری جیت کا ہوگا مگر بلند

حضرت بیکلؔ اتساہی

ترانہ

حضرت بیکل اُتساہی

تیری دھرتی کو جھک جھک کے چومے گگن — زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن
تیرے ذرّوں میں ہیں چاند سورج مگن — زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

حسنِ چرخ بریں، تیری پرچھائیاں
جنتوں کا یقیں، تیری رعنائیاں
راحتوں کی امیں، تیری پروائیاں
تیری انگڑائیاں، امن کا بانکپن — زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیری ندیوں میں امرت کی موجیں رواں
تیری جھیلوں میں آبِ شفاء کا سماں
تیری نہروں میں ہے دولتِ جاوداں

تیرے جھرنوں میں کندن کا نکھرے بدن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

یہ ہمالہ ترا، جس کو چومے فلک
حُسنِ کشمیر ہے خلد کی اک جھلک
"تاج" کی ضو پہ حیراں ہیں جنّ و ملک
تیری عظمت کی شوبھا اجنتا کا فن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیری شاموں میں جشنِ بہاراں کی لو
تیری صبحوں کی مُسکان میں کیفِ نَو
تیری راتوں کے جلوؤں میں فطرت کی ضو
تیری تنہائی ہے رشکِ صد انجمن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیرے بنگال، مدراس، فکر و نظر
عزم پنجاب، گجرات، خونِ جگر
تیری یو۔پی زباں، نطق دلّی نگر
بمبئی شان، ارمانِ ارضِ دکن ——— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

ذہن کیرل، تو میسور تدبیر ہے
مدھیہ پردیش دولت کی تصویر ہے
راجپوتانہ، بازو کی شمشیر ہے
تیرے کان میٹ بہار و اڑیسہ ہیں دھن ——— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیرے مژگاں پہ کیلاش کا ناز خم

تیرے ماتھے کو چومے جمالِ ارم
پاؤں دھوئے ترا حسنِ رامیشورم
تیری باہوں کا احسان گنگ و جمن — زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیرے ہونٹوں کو چومے مدھر بانسری
تیرے ہر انگ میں ہیں کلا، راگنی
شیام لیلا، ادا تیری مسکان کی
تیرے نغموں کی لے، رادھیکا کی لگن — زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

گیت ٹیگور کے ہر غزل میر کی
یعنی پرچھائیاں حسنِ تنویر کی

بانکیں تیری حسین تیری تصویر کی
تیرا ہر نقش موضوعِ شعر و سخن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

تیرے احساسِ وحدت میں نانک پلے
راستے میں اہنسا کے گوتم چلے
بزمِ چشتی میں تیرے ہی دیپک جلے
تجھ سے دنیا نے اپنا سنوارا چلن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

موتیوں کی ترے کھیت میں بالیاں
تیرے کھلیان ہیروں بھری تھالیاں
جھولیں باغوں میں یاقوت کی ڈالیاں
تیری مٹی سے لال و جواہر کا بن —— زندہ باد اے وطن، زندہ باد اے وطن

"برق کے شعلے"

حضرت قتیلؔ باندوی

ہمارے ہی چمن پہ کس لیے بجلی چمکتی ہے
ہمالہ کی بلندی کیوں نگاہوں میں کھٹکتی ہے

حسد کی آتشِ خاموشِ دیرینہ بھڑکتی ہے
پہاڑوں کا کلیجہ برف کی چھاتی دھڑکتی ہے

پڑا ہے وقت اپنے دیش پر قربان ہوتے ہیں
وطن پر مرنے والے برف کی چادر پہ سوتے ہیں

جو گھر جاتے ہیں شعلوں میں وہ پیہم مسکراتے ہیں
فرشتے کانپ جاتے ہیں مجاہد سر کٹاتے ہیں

نہیں پڑتا ہے بل ابرو پہ فکرِ جان و تن کیسی
اہنسا کے ہیں متوالے تو فکرِ جان و تن کیسی

جو کھائے زخم سینہ پر بہادر کی نشانی ہے
مگر منھ پھیرنا مقتل سے توہینِ جوانی ہے

یہاں راہِ وفا پر مرمٹیں تو غم نہیں ہوتا
یہاں جذبِ وفا ناکامیوں سے کم نہیں ہوتا

حضرت قتیلؔ باندوی
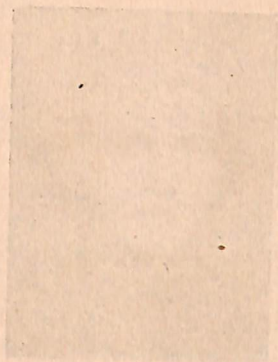
زمانہ کیا بھلادے گا یہاں کے باکمالوں کو
کلائی موت کی بڑھ کر صریحاً موڑ دی ہم نے
دلوں میں کروٹیں لیتا ہی عزم کوہکن ابتک
تبسم ہی لبوں پر رہروِ راہِ صداقت کے
یہاں ویروں کو دنیا نے کبھی رکتے نہیں دیکھا
وطن کی راہ میں جب آبرو پر آنچ آتی ہی
وطن کے واسطے اہلِ وطن کو چھوڑ دیتا ہی
یہ بھارت ہی یہاں بیٹے کو ماں للکار دیتی ہی
یہاں پر بھائی کا چہرہ کبھی پڑتا نہیں پھیکا

خبر شاید نہیں ہی فی زمانہ چین والوں کو
بغیر جنگ زنجیر غلامی توڑ دی ہم نے
عیاں ہی چتونوں سے راجپوتی بانکپن ابتک
گذر جانے ہیں جلتی آگ سے پرہلاد بھارت کے
یہاں سر کٹتے دیکھا ہی مگر جھکتے نہیں دیکھا
یہاں کی پدمنی جلتی چتا میں کود جاتی ہی
یہاں کا ابھیمنیو چکر بیو کو چھوڑ دیتا ہی
بہن بھائی کو راکھی باندھ کر تلوار دیتی ہی
کہ مستک پر دیا بہنوں نے اپنے خون کا ٹیکا

تعصب سے الگ ہٹ کر یہ اندازِ دگر دیکھیں
چلو! گذری ہوئی تاریخِ عالم اک نظر دیکھیں

وہی چینی کہ جن کی روح آزادی پھڑکتی تھی
ہمارے آستاں پر جن کی غیرت سر پٹکتی تھی

جو پیروں میں تھی اس زنجیر کی جھنکار شاہد ہے
غلامی کی علامت چین کی دیوار شاہد ہے

وہی چینی کہ جس نے حملۂ منگول سے ڈر کر
کیا تھا قید خود کو چین کی دیوار کے اندر

ہمارا خون بہا کر آج محوِ لالہ کاری ہیں
تشدد کے فدائی اب یہ گوتم کے پجاری ہیں

یہ کیوں چپ ہیں یہ خاموشی بھی سمجھو اے جہاں والو
نہ سمجھو گے تو کب سمجھو گے تم ہندوستاں والو

قسم ہے میرے پیارو تم کو اپنی لاجِ بھارت کی
قسم ٹیپو کی عظمت جذبۂ شوقِ شہادت کی

قسم ہے اس کماں بر دوش ارجن کی شجاعت کی
قسم ہے رام لچھمن کے ارادوں کی رفاقت کی

قسم ہے تم کو شیو شنکر کے اس زہر آب پیالے کی
قسم ہے نندلالے کی قسم ہے بنسی والے کی

قسم رادھا کی چاہت کی، قسم سیتا کی غیرت کی
قسم تم کو ہمالہ کی چٹانوں کے پٹھاروں کی
قسم اجمیر و کلیر کی قسم کاشی و متھرا کی
قسم ہے چاند بی بی، لکشمی بائی کی جرأت کی
قسم بیوہ کے آنسو کی یتیموں کی نگاہوں کی
ہے آنکھوں میں ابھی زمزم کے پانی کی قسم تم کو
قسم کھا کر کہو، سچ سچ کہو، کیا سر کٹاؤ گے
پیو جامِ شہادت بڑھ کے پینا اس کو کہتے ہیں
مقدس دیوتاؤں کا سروں پہ ہاتھ ہے اپنے

قسم مریم کی عفت کی قسم ماؤں کی عزت کی
قسم مسجد کی مندر کی، قسم ہے گوردواروں کی
قسم چشتی و نانک کی قسم تاج و اجنتا کی
قسم ہے رضیہ سلطانہ کی اس مردانہ ہمّت کی
قسم بیکس دلوں، سوکھے لبوں، مجبور آہوں کی
اٹھو گنگا کی پاکیزہ روانی کی قسم تم کو
وطن کی آبرو کے واسطے کیا مر نہ جاؤ گے
وطن کی راہ میں مرجاؤ جینا اس کو کہتے ہیں
صداقت ساتھ ہے سارا زمانہ ساتھ ہے اپنے

حضرت محشر عنایتی رام پوری

"افراتفری"

نہ کوئی میر کارواں نہ رہ رووں میں اتحاد
نہ کچھ مقام کا پتہ نہ سمت ہی کسی کو یاد
نہ دِل میں جوشِ ارتقا نہ لب پہ شورِ زندہ باد
ہر اک ارادہ مضمحل ہر اک اُمید رائگاں
یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

عجب عجب سی حسرتیں عجب عجب سی خواہشیں
طرح طرح کی کلفتیں طرح طرح کی بندشیں
قدم قدم پہ ٹھوکریں قدم قدم پر لغزشیں
کبھی ٹھٹک گیا یہاں کبھی ٹھٹک گیا وہاں
یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟
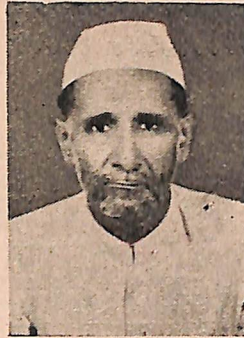
حضرت محشرؔ عنائتی رام پوری

سُبک قدم نہ دیدہ ور نہ سر بکف نہ من چلے
دلاورانہ سلسلے نہ غازیانہ مشغلے
نہ حوصلے نہ جُرأتیں نہ تیزیاں نہ ولولے
رُکی رُکی کہانیاں تھکی تھکی جوانیاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

فسردہ قلب، خشک ہونٹ، زرد رُخ جھکی نظر
شکستہ پاؤں ہاتھ شل حواس رفتہ آنکھ تر
خیالِ راہ زندگی میں خطرۂ اگر مگر؟
جمودِ زندگی قبول فکرِ زندگی گراں؟

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

یہ طرزِ رہ رو و شعور رہبری کو کیا ہوا
یہ فخرِ مستی و غرورِ آگہی کو کیا ہوا
یہ آدمی کہاں گیا یہ آدمی کو کیا ہوا
نہ دل میں اپنی منزلت نہ لب پہ اپنی داستاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

سسک سسک کے جان دے رہی ہیں آدمیتیں ‏ بلک بلک کے رو رہی ہیں آدمی کی نسبتیں
جھجک جھجک کے سر برہنہ ہو رہی ہیں عصمتیں ‏ کھسک کھسک کے اُٹھ رہے ہیں خُلق و نیکی و اماں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

کسی کا شغل روز و شب شراب و رقص و راگ رنگ ‏ کسی کا شغل صبح و شام دیو مفلسی سے جنگ
کسی کے کان آشنائے نغمۂ رباب و چنگ ‏ کسی کے کان آشنائے آہ و شیون و فغاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

یہ واسطہ ہے کہ مقتدر کو بے کسوں کی آرزو؟ ‏ یہ قاعدہ کہ اہلِ زر کو مفلسوں کی جستجو؟
یہ رابطہ کہ چوسے آدمی کا آدمی لہو؟ ‏ یہ ضابطہ کہ جس کے ہاتھ میں ہو لٹھ اسی کی بھینسیاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

یہ گلستاں کہ جس میں کہہ رہے ہیں آئی ہے بہار
یہ گلستاں کہ جس میں سُن رہے ہیں حرص کی پکار
یہ گلستاں کہ جس کو لوٹتے ہیں اس کے ذمہ دار
کسی طرف ہنسے کلی، کسی طرف اُٹھے دھواں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

وہ ہنس رہے ہیں امتحانِ رہزنی کے کامیاب
وہ آ رہے ہیں مسخ صورتوں پہ ڈال کر نقاب
وہ بیٹھے رو رہے ہیں لُٹ لُٹا کے خانماں خراب
وہ اُڑ رہی ہیں دامنِ معاشرت کی دھجیاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

وہ شام آئی کوٹھیوں کے جل اٹھے وہ قمقمے
وہ سیٹھ جی نے آج پھر حساب بند کر دیے
وہ آج پھر اجیر سر جھکائے گھر کو چل پڑے
تڑپ رہے ہیں ننھے ننھے بچے بھوک سے جہاں

یہ کس طرف کو جا رہا ہے زندگی کا کارواں؟

یہ کیا ہوا؟ یہ کون ہے؟ تڑپ رہا ہے؟ مرگیا　　　یہ کون تھا، یہ یہ کس کی کار رکا اُتر گیا
یہ ایک بوڑھا فاقہ کش فقیر تھا گزر گیا　　　وہ شہر کے رئیس تھے چلے گئے دواں دواں

یہ کس طرف کو جارہا ہے زندگی کا کارواں؟

یہ ابتری، یہ برہمی، یہ انتشار یہ فضا　　　نہ کوئی جس کی ابتدا نہ کوئی جس کی انتہا
مگر میں جانتا ہوں یہ کہاں رُکے گا سلسلہ　　　کہ آرہی ہے میرے کان میں صدائے مخبراں

یہ کس طرف کو جارہا ہے زندگی کا کارواں؟

دورِ ریختی گوئی

حضرت حیرتؔ لکھنوی

بمبئی بھاتا ہی بچیا نہ بخارا مجھ کو
لکھنؤ جان سے بھی بڑھ کے ہی پیارا مجھ کو
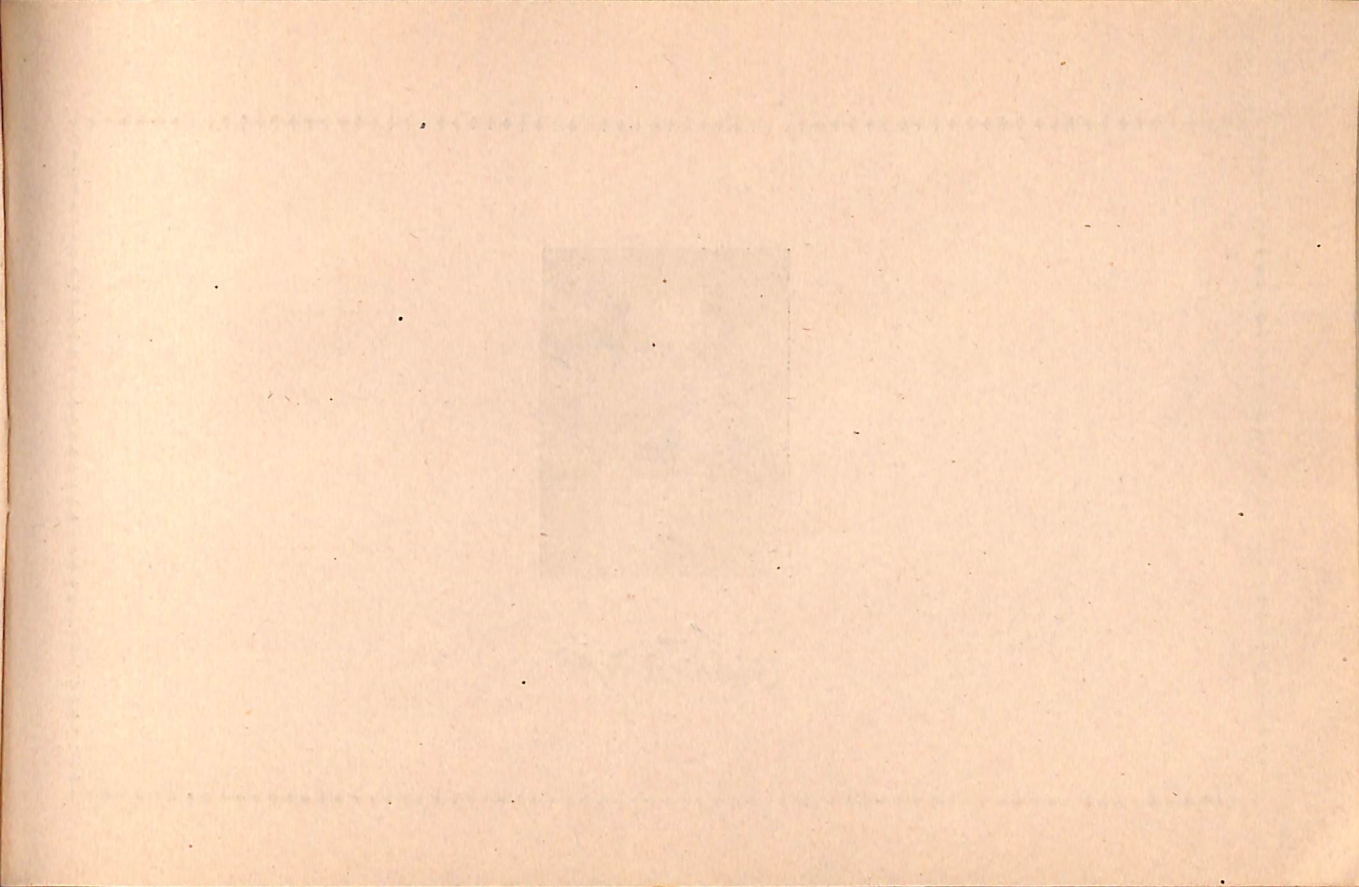
یہ وطیرہ نہیں بھاتا ہے دلارا مجھ کو
کیوں خصم گھورتا رہتا ہی تمھارا مجھ کو

وہ دعا دو کہ ملے مرد کنوارا مجھ کو
بچیا بس چاہیے روٹی کا سہارا مجھ کو

پیر دبوائیں کہ بھروائیں کنوئیں سے پانی
ان کی الفت میں تو اب ہی گوارا مجھ کو

بچ گئی آنکھ نہیں، پھوٹ ہی جاتی لڑکے
ڈھیلا کیا تو نے اوئی تاک کے مارا مجھ کو

اب تو جوتی کے برابر بھی سمجھتے نہیں وہ
جو سمجھتے تھے بہن آنکھ کا تارا مجھ کو

چوڑیاں پیس کے کھا لوں گی کہے دیتی ہوں
مردوئے اب کی کہیں تو نے جو مارا مجھ کو

دولھا بھائی نے مری جان غضب میں کر دی
جب سے پہنے ہوئے دیکھا ہی غرارہ مجھ کو

قطعات

(۱)

پاس بیٹھے ہوئے کہ دُور کے لوگ　　دیکھتے کیا ہیں گھور گھور کے لوگ
توبہ کیسے اشارے کرتے ہیں　　بڑے وہ ہیں لکھیم پور کے لوگ

(۲)

کیا شکایت دہی نہیں ملتا　　خالص اب دودھ بھی نہیں ملتا
تم تو روتے ہو اصلی گھی کے لئے　　اصلی اب آدمی نہیں ملتا

حضرت ساجد سجنی بھوپالی
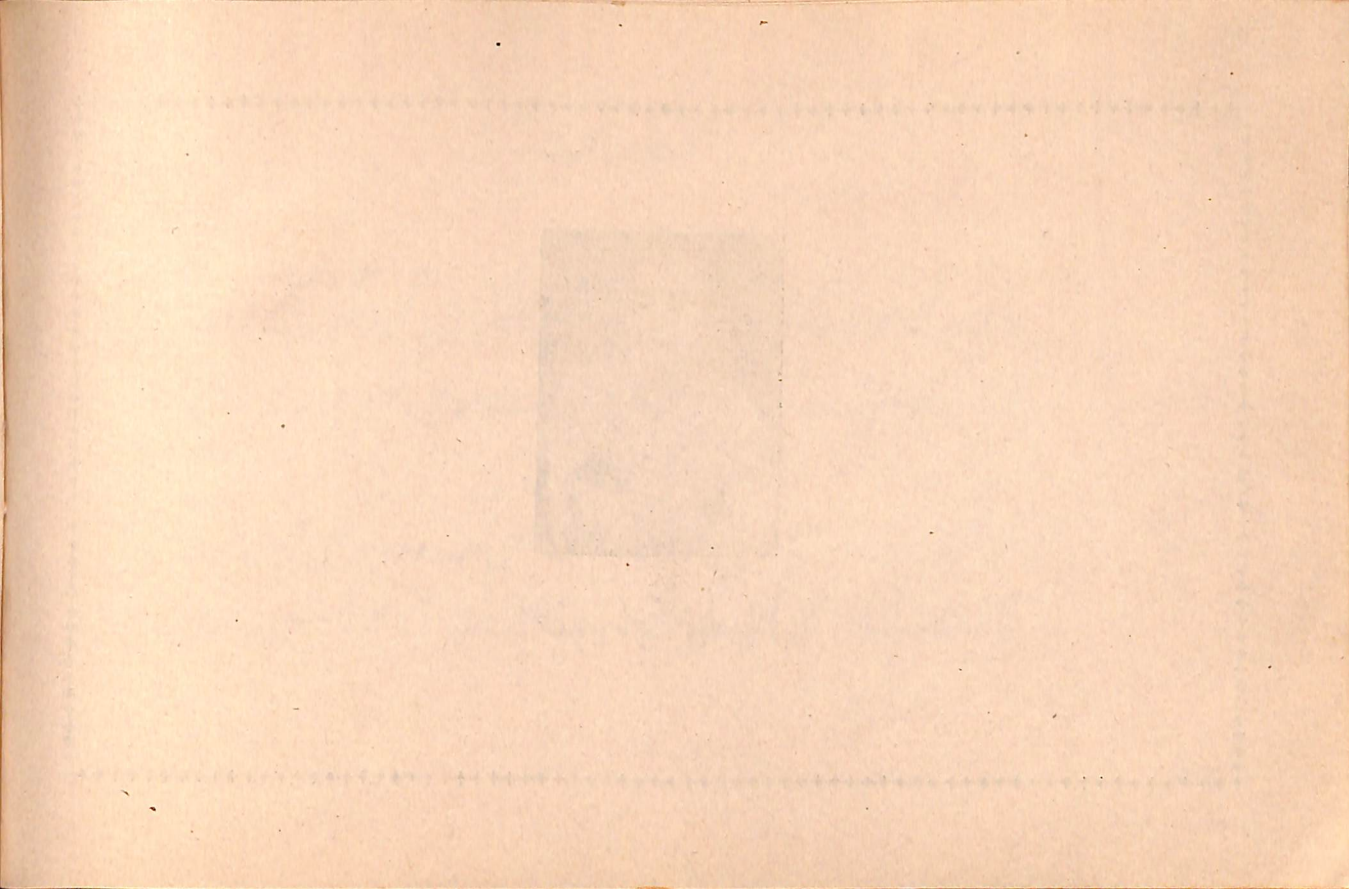
جہاں ممکن نہ ہو اک پان باجی
وہاں کیا جائیے مہمان باجی

نہ سن پائیں وہ کانوں کان باجی
مجھے تو ہے یہی خفقان باجی

مری جوتی بھی جائے گی نہ میکے
نہ پوچھیں مجھ کو امی جان باجی

نہ کورے بنڈلے پر آیا ذرا میل
یوں ہی جاتی ہوں پُر ارمان باجی

مرا پیچھا چھڑا دو اس موئے سے
میں واری تم پہ میری جان باجی

کسی بھاؤ نہیں ملتی کوئی شے
یہ کیسا آیا ہے طوفان باجی

قسم لے لو جو میں نے کچھ کہا ہو
بندھا ہے مفت کا بہتان باجی

سفر بھوپال سے کھیری کا توبہ
مرا جی ہو گیا ہلکان باجی

وہ اپنے گھر میں خوش ہیں اپنے گھر میں
میں جاؤں نوج پاکستان باجی
یہی سمجھو کہ بس بڑبھس لگا ہے
نہ ہیں ننھے نہ وہ نادان باجی
سنائیں کیا نہیں کچھ پاس سجنی
کہ چوری ہوگیا دیوان باجی

دورِ طنزیات و ہزلیات
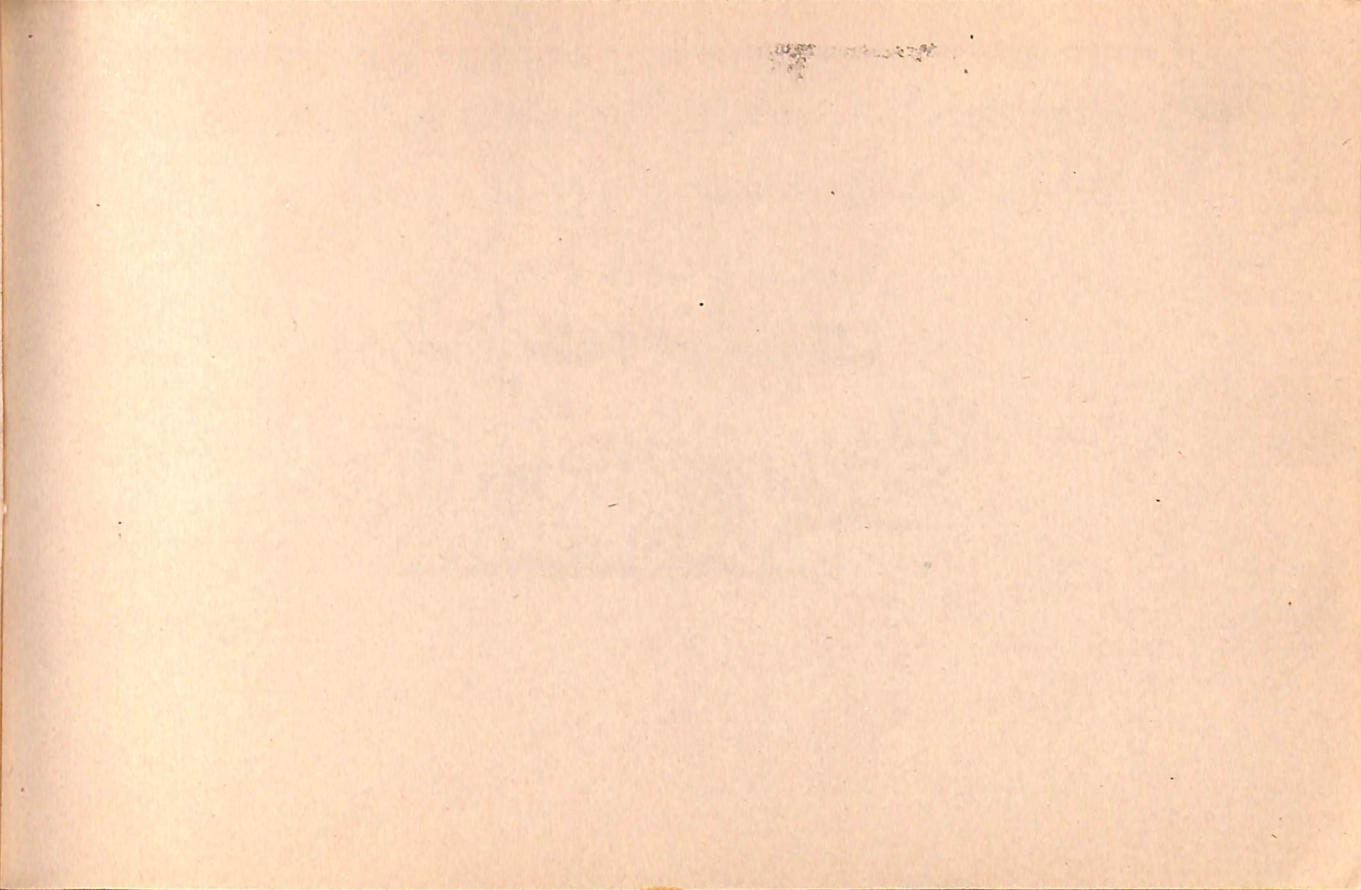
بچہ کشوں کے دیش میں

حضرت فرقت کاکوروی

ہم نشیں مت پوچھ شادی کا سماں
آہ! اے ہندوستاں جنت نشاں
اس جگہ گر آج شادی کیجئے
دوسرے ہی دن سے اولادوں کے ویگن لیجئے
اور اس ویگن میں پھر
بچوں کا شور، چیں ہیں کا زور

اور پھر اس شور میں
اس زور میں
کان میں ماں باپ دے لیں انگلیاں
بھول جائیں پی کہاں
اور گھبرا کر کہیں یہ کیا ہوا
اور اس پر سب کہیں

اچھا ہوا!
دیش کی زینت بڑھی
عزّت بڑھی
شہرت بڑھی
جو کیا اچھا کیا
جو کچھ ہوا اچھا ہوا

اور ہر دم بس یہی اک فکر ہو
اولاد ہی کا ذکر ہو
ہر سمت چاہے کال ہو
سارا جہاں پامال ہو
بدحال ہو، بے حال ہو
کنگال ہو
بچوں سے مالا مال ہو

(۲)

گھر میں اگر کھانا نہیں
پانی نہیں، دانا نہیں
دولت نہیں، ثروت نہیں
شہرت نہیں، عزّت نہیں
چاہے کوئی ناشاد ہو
آباد ہو، برباد ہو
پر گود میں اولاد ہو
گھر میں اگر چلمن نہیں
روزن نہیں، آنگن نہیں
برتن نہیں، راشن نہیں
اک شمع تک روشن نہیں
پر سوچ تو اے ہم نشیں
بچّہ نہیں تو کچھ نہیں
اک دن سفر کو ہم چلے
اور ریل میں ہم گھس گئے
بچّوں سے ہم منہ موڑ کر
سارے کلنڈر چھوڑ کر
کچھ اِس طرف
کچھ اُس طرف

اور گھیر لیں سیٹیں تمام
رکھا گر یہ اہتمام
سارے مسافر ہوں کھڑے
ہر سمت ہوں بچے پڑے
اک شور و ہنگامہ رہے
گردش میں پیمانہ رہے
کوئی جیئے چاہے مرے
اپنا سفر اچھا کٹے

---

(۳)

بچّوں کی پیدائش میں ہم
چیں پیں کی آلائش میں ہم
وقفے کبھی دیتے نہیں
دنیا سے ہم ہٹتے نہیں
لڑکی ملے لڑکا ملے
لولا ملے لنگڑا ملے
ٹیڑھا ملے سیدھا ملے
ہر سال کچھ ملتا رہے
اور پھول اک کھلتا رہے

جب جانکی کا گھر بسا
اور بارھواں بچّہ ہوا
بولے یہ سن کر جانکی
سب دین ہے بھگوان کی
باوا نے پوچھا کیا ہوا
بولے چلو اچھا ہوا
اولاد کا کوٹا بڑھا
بولے کہ یہ کیا کھائے گا

اس کے لیے کیا آئے گا
کیونکر یہ پالا جائے گا
بولے یوں ہی پل جائے گا
اس کا ابھی سے ذکر کیا
اس کی ابھی سے فکر کیا
ہم سب فقیروں کو یہاں
اتنی بھلا فرصت کہاں
اولاد بھی پیدا کریں
اور بیٹھ کر سوچا کریں

یہ سب کہاں سے کھائیں گے
پیسے کہاں سے لائیں گے
کپڑے کہاں بنوائیں گے
یہ کام ہے سرکار کا
اس سے ہمیں کیا واسطہ

(۴)

ہاں گر حکومت یہ کہے
بچّے نہ اب پیدا کرو
کوئی نیا دھندا کرو

اس بات پر اس سے کہو
فوراً وزارت توڑ دو
ہم کو ہمیں پر چھوڑ دو
بچّوں کی رکھوالی کرو
ہم سب کی نقالی کرو
یہ کام ہے اولاد کا
ماں، باپ کا
یہ اپنا اپنا کار ہے
آزادیٔ اظہار ہے

سرکار پر کیا بار ہے
ہر فرد ذمہ دار ہے
اولاد کا، افتاد کا
غلّہ نہ ہو، پیسہ نہ ہو
کپڑا نہ ہو، لتّہ نہ ہو
چڑیا کا اک بچہ تو ہو
وہ جن کا بہتر حال ہے

ان کا یہی احوال ہے
جب سائیکل پر چل دیئے
کل فیملی اپنی لیے
دو ٹوکری میں ہیں نہاں
دو کا ہے ڈنڈے پر مکاں
شانوں کو دو پکڑے ہوئے
گردن میں، دو جکڑے ہوئے

ہے کیریر پر ماں لدی
لڑکی ہر کھونٹی سے بندھی
سیکل نے فرّاٹے بھرے
لڑکوں نے خرّاٹے بھرے
پھر زن زنا، زن زن زنن
زن زن زنا زن زن زنن

قطعات

(۱)

انسانیت کا فرض سمجھنا ضرور تھا　　بخل اس میں ہو یہ میری سخاوت سے دور تھا
سب شاعروں کو بانٹ دیا میں نے حسبِ ظرف　　جتنا مرے دماغ کے اندر فتور تھا

(۲)

علاجِ دردِ دل اے دوست فرمانے سے کیا ہوگا　　دوا پینے سے کیا ہوگا دوا کھانے سے کیا ہوگا
یہ سوچا تھا تمھارے ہجر سے بہتر ہے مر جانا　　مگر پھر میں نے یہ سوچا کہ مر جانے سے کیا ہوگا

حضرت ماجس لکھنوی
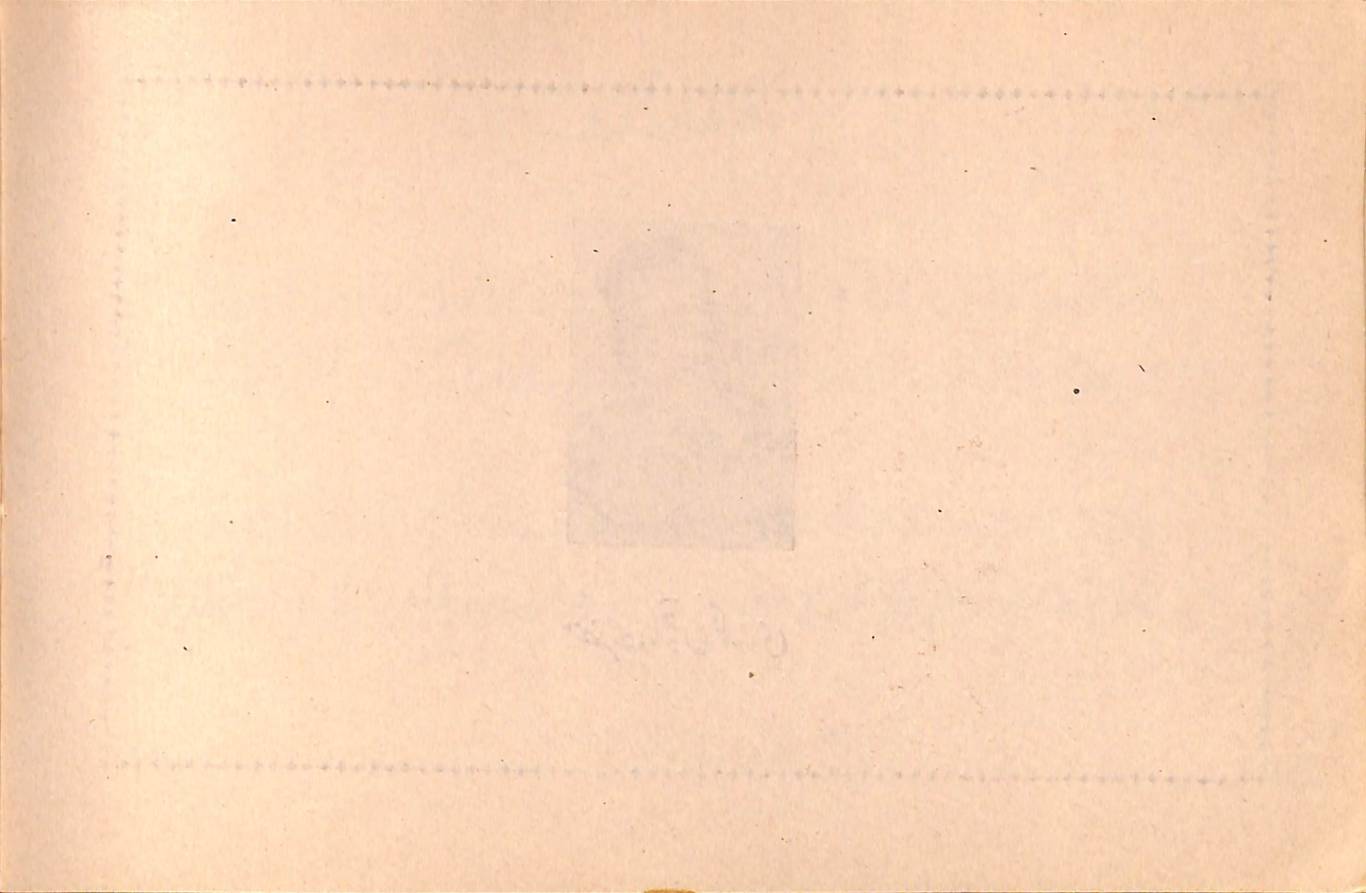
شیخ آئے جو محشر میں تو اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد

تحقیق کیا ان کا جو شجرہ تو یہ پایا
کچھ یوں ہی سی ننھیال ہے ددھیال ندارد

ہے اس بُتِ کافر کا شباب اپنا بڑھاپا
ماضی ہے اُدھر گول اِدھر حال ندارد

تعداد میں ہیں عورتیں مردوں سے زیادہ
قوالیاں، موجود ہیں قوال ندارد

ہوتا ہے یہی حسن کے اور عشق کے مابین
اُس سال جو باتیں تھیں وہ اس سال ندارد

محشر میں گھس آیا ہے گرہ کٹ کوئی شاید
یارب ہے مرا نامۂ اعمال ندارد

ماں باپ بہن بھائی سب ان کے ہیں مرے ساتھ
اب گھر مرا سسرال ہے سسرال ندارد

اللہ رے ستم وصل کا جس سال تھا وعدہ
وہ ہو گئے دنیا سے اسی سال ندارد

ماچس نہ کہیں نالۂ سوزاں سے لگے آگ
ہو جائے نہ پنڈال کا پنڈال ندارد

حضرت دلاور فگار

غزل صاحبہ

غزل ہے میرا نام میں عروسِ کائنات ہوں
میں جملہ اہلِ ذوق کی رفیقۂ حیات ہوں

جنابِ جوشؔ نے غمِ طلاق دے دیا مجھے
خدا نے دوسرا پتی فراقؔ دے دیا مجھے

مرے فدائیوں میں اک بزرگ دیوبند ہیں
انھیں بھی میں پسند ہوں مجھے بھی وہ پسند ہیں

میں سینچتی ہوں فلم کو ادب کی خشک جھیل سے
تمھیں مرا یقین نہ ہو تو پوچھ لو شکیلؔ سے

میں دل میں چبھ گئی تو اک لطیف و نرم پھانس ہوں
قیودِ فن میں پھنس گئی تو صرف ٹھونس ٹھانس ہوں

میں وہ ہوں جس کے شوہروں میں بے شمار چور ہیں
جو ایک پاکباز ہے تو دس حرام خور ہیں

یہ شاعروں کا سلسلہ کچھ اس قدر دراز ہے
کہ جو ہے دشمنِ ادب وہی ادب نواز ہے
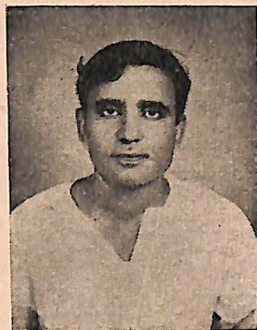
حضرت دلاور فگار
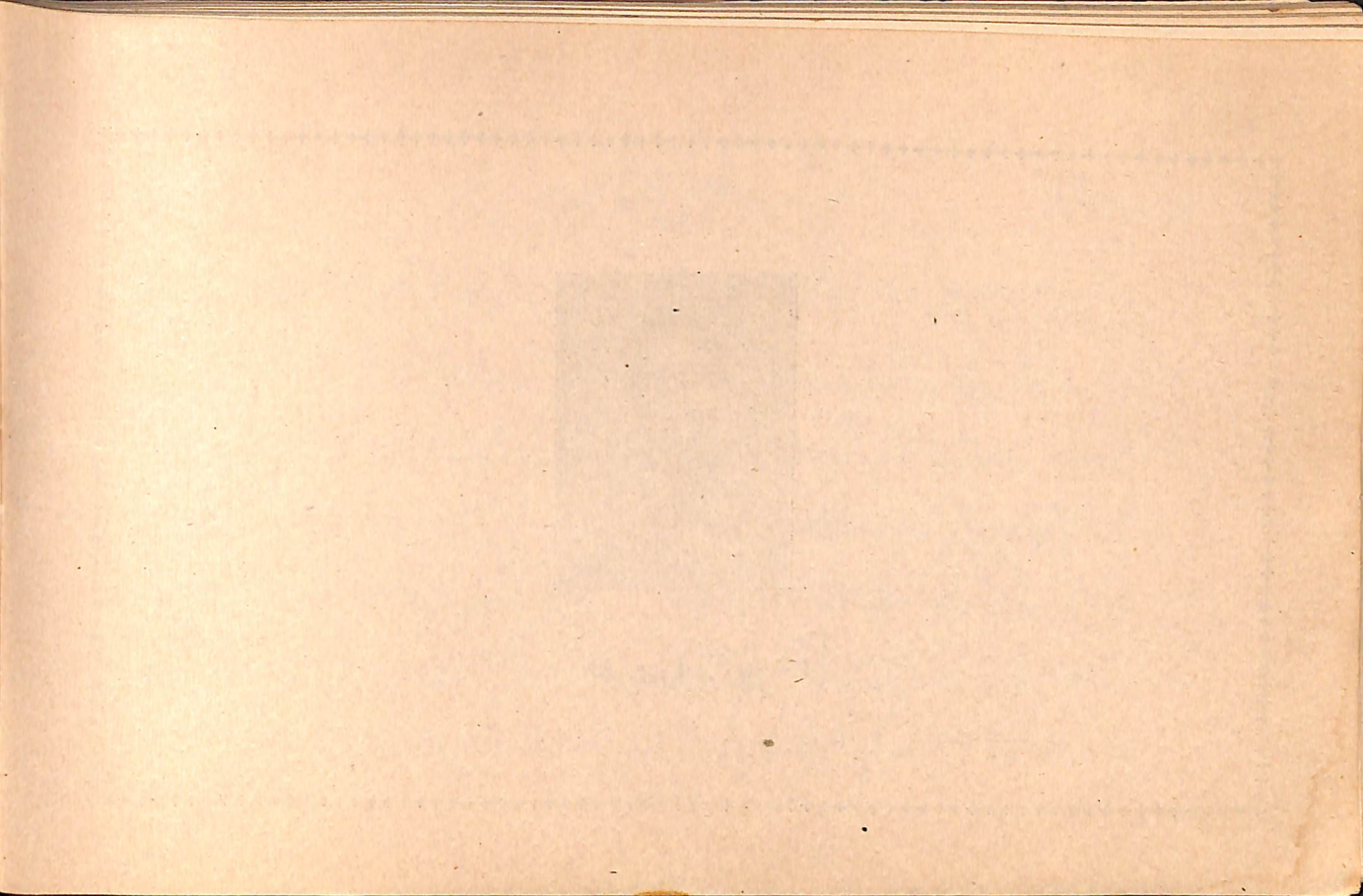
یہ کاملانِ بے ہنر، یہ عالمانِ بے سعد
مرے بہت سے آشنا جہاں سے یوں گذر گئے
میں کتنی پختہ کار ہوں اناڑیوں سے پوچھیے
اسی سبب سے شاعروں میں ایک بنائے جنگ ہوں
میں تاجرانِ شعر کا ذریعۂ معاش ہوں
میں اپنی محنتوں کا حق طلب کروں تو بھیک ہے
ادب سے مجھ کو واسطہ؟ ادب ہی جانے کیا بلا
نہ منطقی کی بحث میں، نہ فلسفی کے علم میں
مرا کمال دیدنی ہے پکچروں کے گیت میں

مری ادا پہ مر مٹے یہ بے پڑھے لکھے جغد
پلے بڑھے جواں ہوئے، لکھا لکھایا مر گئے
میں کتنی باوقار ہوں، کباڑیوں سے پوچھیے
جو چاہے مجھ کو لوٹ لے کٹی ہوئی پتنگ ہوں
مرا کفن کھسوٹ لو، میں ایک سرد لاش ہوں
حضور میری آبرو کو بیچ دیں تو ٹھیک ہے
مرا کمالِ شاعری، گلا، گلا، گلا، گلا
مجھے تلاش کیجیے، کسی حسین فلم میں
"بہار" میں "بسنت" میں "محل" میں "من کی جیت" میں

میں اپنے ذوقِ تشنہ لب کی تشنگی بجھاؤں گی
جو محفلیں نہ مل سکیں، تو ہوٹلوں میں گاؤں گی
میں آج رات ریڈیو پہ ایک چیز گاؤں گی
بنامِ خدمتِ ادب، ادب کا منہ چڑھاؤں گی
ادب نے جب مری طرف عنانِ ظلم موڑ دی
تو میں نے بھی بہ صد ادب، ادب کی ٹانگ توڑ دی

"اولاد کا پرمٹ"

حضرت دلاور فگار

ہند میں بچّوں کی کھیتی ہو رہی ہے آج کل
ماہرِ تخلیق ہے اس ملک کا ہر نیشنل
مختلف رہرو ہیں لیکن ایک ہی راہِ عمل
کوئی سنگل بچّہ پیدا کرتا ہے کوئی ڈبل
چونکہ اپنے ملک کی مٹّی بہت زرخیز ہے
اس لیے رفتارِ پیدائش بھی کافی تیز ہے

گو حکومت کر رہی ہے اس مرض کی روک تھام
پھر بھی اک تنہا حکومت سے نہیں ہوگا یہ کام

اک طرف صرف ایک منصوبہ ادھر لاکھوں عوام
کیا کرے سائیس گھوڑے ہی اگر ہوں بے لگام

عقل سے محروم ہوں جب قوم کے بوڑھے بڑے
کیسے ایسے جاہلوں سے کیا کوئی کشتی لڑے

مرے نزدیک اس مرض کی ہے یہی واحد دوا
اب حکومت کو یہ لازم ہے بنادے ایک لا

بے اجازت کے نہ پیدا ہو کوئی بچّہ نیا
جو بھی یہ قانون توڑے اس کو دی جائے سزا

یوں ہی گھٹ سکتا ہے آبادی کا یہ جمّ غفیر
مجرمانِ کثرتِ اولاد ہو جائیں اسیر

پہلے اک درخواست دی جائے پرنٹیڈ فارم پر
منکہ اک شادی شدہ کنوارا ہوں یعنی بیچلر

چاہتا یہ ہوں کہ جلد از جلد بن جاؤں پدر
عہد کرتا ہوں کہ میرا لختِ دل نکلے گا نر

ایک بچّے کا مجھے پرمٹ اِشو کر دیجیے
میں مجرّد ہوں ابھی تک امتحاں کر لیجیے

عہد کرتا ہوں یہ نو مولود ہوگا ہونہار — اپنی روزی کے لیے یہ خود ہی ہوگا ذمہ دار

یہ نہیں مانگے گا چندہ بہرِ تعمیرِ مزار — یہ حکومت سے وظیفہ کا نہ ہوگا خواستگار

یہ کسی محتاج خانہ میں نہیں ہوگا مقیم — اپنے جیتے جی نہ ہونے دوں گا میں اس کو یتیم

اس کی گارنٹی یہ پڑھ لکھ کر نہیں بیچے گا تیل — اونٹ بھی ہوگا اگر یہ تو نہ ہوگا بے نکیل

یہ کسی باغی جماعت سے نہیں رکھے گا میل — اس کا میں ضامن کہ یہ لڑکا نہیں کاٹے گا جیل

یہ جواں ہو کر نہیں نکلے گا غدارِ وطن — جعفر از بنگال ہوگا اور نہ صادق از دکن

عہد کرتا ہوں کہ یہ کھانا کم از کم کھائے گا — بھول کر گندم نہ یہ مانندِ آدم کھائے گا

اور نہ لیڈر کی طرح یہ قوم کا غم کھائے گا — اور نہ مثلِ مولوی مرغِ مسلّم کھائے گا

بھوک کو جب تک بھی ممکن ہو سکا ٹالے گا یہ — خونِ دل پی لے گا یہ لختِ جگر کھائے گا یہ

ملک میں بے روزگاری کو نہ پھیلائے گا یہ
پیٹ بھرنے کے لیے ناچے گا یہ گائے گا یہ

اپنے والد کی طرح مفلس نہ کہلائے گا یہ
کچھ نہ بن پایا تو پھر شاعر ہی بن جائے گا یہ

اس وظیفہ کو سمجھ لے گا یہ پیغامِ نجات

فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات

مجھ کو ملنا چاہیے پرسٹ برائے نونہال
عمر کے ویزا میں اب توسیع ہونا ہے محال

کیونکہ نزدیک آگئی ہے میری تاریخِ وصال
میرے کس کام آئے گی اولاد بعدِ انتقال

بعدِ مُردن بیقراری کو قرار آیا تو کیا

باپ کے مرقد پہ بیٹا لے کے ہار آیا تو کیا

"ہکلے کا پیار"

تری ذات سے مجا جانِ من، تما مجھکو ہی پیا پیارہ ہے
غنا غیر ہے خنا خود غرض، ووا وقت کا بیا یار ہے

راتا رات بھر جاجا جاگنا، دَدا دوڑنا، بھبھا بھاگنا
بَبا بائی گا ڈیہی مری، حَا حالتِ زِزا زار ہے

چَچا چادریں میں چڑھاؤں گا سَسا سیدّو کی قَقا قبر پر
حَا حضرت قَقا قیس کا بھبھا بھوت مجھ پہ سوار ہے

میں خزاں نصیب ہوں آج تک بیا یہ مری بَبا بڈھّا لک
وواوہ بھی تو للہ لوگ ہیں، جَجا جِن کے گھر میں بہار ہے

نہیں دل میں اب اَغا آرزو، تَما مُردہ ہے قَقا قبر میں
سَسا سینہ میں دَدا دل نہیں، حَا حسرتوں کا مزار ہے

بَبا بیاہ تجھ سے کروں گا میں تَتا تیرے ساتھ مروں گا میں
کَکا کینسر ہے مجھے مگر دَدا دِق کی تو بھی شکار ہے

خَخا خرچ کا غَغا غم نہیں، پپا پیسہ بھی کَکا کم نہیں
مرے پاس ہے رَرا ریڈیو، بَبا بنگلہ ہے کَکا کار ہے

خَخا خط میں تو نے یہ کیا لکھا وَوا وصل غیر سے ہو گیا
خَخا خط ترا خَخا خط نہیں، مری موت کا تَتا تار ہے

وَوا وہ جو میرا رقیب ہے، اَغا آدمی بھی عجیب ہے
شَشا شاعری بھی وہ کرتا ہے نَنا نام اس کا فِگار ہے

حضرت آفتاب لکھنوی